۷۸۶

سلطنت برطانیہ کا مستقبل

جاپان کے ایک نہایت نامور مؤرخ کی ایک معرکۃ الآرا تصنیف

کا

سلیس و بامحاورہ اردو ترجمہ

مؤلفہ

جناب منشی محمد عبداللہ صاحب منہاس

ایڈیٹر اخبار وکیل امرتسر

سنہ ۱۹۱۲ء

مطبوعہ روز بازار سٹیم پریس امرتسر

بقلم محمد اکبر کاتب امرتسر

دیباچہ مترجم

حیات وموت اور عروج وزوال کا اٹل سلسلہ افراد و اقوام پر یکسانی و یکرنگی کے ساتھ حاوی ہے۔ انسان اپنی پست حالت سے ابھرتے اور کچھ مدت کامرانی وکامیابی کے ساتھ دنیا میں چمک کر خدا کی کروڑوں گمنام مخلوق میں جا ملتے ہیں۔ اور دست اجل جلد یا بدیر اُن کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

قوموں اور سلطنتوں کا بھی یہی حال ہے۔ کل جو سلطنتیں کوس لمن الملک بجا رہی تھیں آج اُن کا ڈھونڈے سے بھی کہیں نشان نہیں ملتا اور جو قومیں جہالت وادبار میں سوئی پڑی تھیں آج وہی آسمان علم و دولت کا آفتاب بنکر چمک رہی ہیں۔ کوئی قوم اس قانون کے حیطۂ اثر سے باہر نہیں ہے پستی کے بعد عروج اور عروج کے بعد زوال مسلّم ہے۔ اسوقت جو قومیں چاہ ضلالت میں گری ہوئی ہیں عجب نہیں کہ کل کو بنی نوع انسان کی زمام قسمت انہی کے ہاتھ میں دیجائے۔ اور جن حکومتوں کو اسوقت دنیا میں اقتدار و امتیاز حاصل ہے۔ اور جو سمجھتی ہیں کہ زمانے کے حوادث اُن پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتے۔ ان کو ایک نہ ایک روز "کل من علیہا فان" کی مے سے لذت آشنا ہونا ہے۔ لیکن جس طرح افراد بعض قواعد حفظ صحت اور قوانین اخلاق و مذہب کے پابند بنکر عمر طبعی حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح قومیں اور حکومتیں بھی بعض خاص آئین و قوانین فطرت کی پابندی کر کے اپنی عمر کے لمبے بڑھا سکتی ہیں۔ مگر یہ خاص قوانین جن سے قوموں اور سلطنتوں کا سلسلہ عروج وزوال وابستہ ہے کیا ہیں؟

یہ سوال قدرتاً ہر سلیم الطبع خیر خواہ ملک و قوم کے دل میں پیدا ہونا چاہئے۔ اور اس کا جواب اُن قوموں کی تواریخ میں تلاش کرنا چاہئے۔ جن کے آگے کسی زمانہ میں تاجداران عالم کی گردنیں جھکتی تھیں۔ مگر جو آج گمنامی کے بحر ظلمات میں بے نام و نشان پڑی ہیں وہ کون سے اسباب تھے جنہوں نے با اقتدار قوموں کو ترقی کے عرش معلّے سے ایسا گرایا کہ اُن میں پھر اُبھرنے کی تاب نہ رہی۔ اور وہ کون سے وجوہ تھے جن کی بدولت جلیل القدر سلطنتیں صفحۂ ہستی سے ایسی محو ہوئیں کہ آج تاریخ عالم میں اُن کا صرف نام باقی رہ گیا ہے۔ بابل۔ شام۔ مصر۔ قرطاجہ اور روما کی پر جلال مملکتیں اب کہاں ہیں؟ وہ سب مٹ چکی ہیں اور جو قومیں اُن کے اسباب زوال پر غور نہیں کرتیں۔ اُن کا نام بھی کسی وقت انہی مٹی ہوئی سلطنتوں کی فہرست میں لکھا جانے والا ہے۔ مبارک ہے وہ قوم جس نے وقت پر اپنی حالت کو محسوس کیا۔ اپنی پیشرو قوموں کے حالات سے عبرت حاصل کی۔ اور جس نے کشمکش حیات میں شریفانہ و کامیاب زندگی بسر کرنے کیلئے کمر ہمت چست کر لی۔

حکومت برطانیہ ترقی کے اعلےٰ مدارج طے کر رہی ہے۔ جدید تہذیب و تمدن کا آفتاب اس مملکت کے چپہ چپہ پر پوری حدت اور تیزی سے چمک رہا ہے۔ لیکن جن لوگوں کو خدا نے نگاہ حقیقت شناس دی ہے۔ اور جو سطحی نظر سے گذر کر معاملات کی تہ تک پہنچنے میں کچھ دقت محسوس نہیں کرتے۔ وہ آئینۂ کمال میں صورت نقص باسانی دیکھ سکتے ہیں۔ یہ امر روز روشن کی مانند ظاہر ہے۔ کہ انگلستان آجکل عالمگیر سٹرائکوں شورشوں اور خانہ جنگیوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ سرمایہ داروں اور مزدوروں میں عظیم الشان مقابلہ جاری ہے پبلک کے نمائندوں (ممبران دیوان عام) اور روسا و جاگیرداروں (ممبران دیوان خاص) میں منازعات

کا ایک سمندر موجزن ہے۔ فاقہ کشوں کی فوج ملک کو ہضم کر جانے کے درپے ہے۔ طبقۂ نسوان سودائے حریت میں بدمست ہے۔ اور گورنمنٹ چاروں طرف سے اپنے تئیں ایسی غضبناک طاقتوں سے گھرا ہوا پاتی ہے۔ جنسے عہدہ برآ ہونے کیلئے غیر معمولی ہمت، غیر متزلزل ثابت قدمی اور شجاعت کی ضرورت ہوگی۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس ہولناک حالت کا جو ایک انقلاب عظیم کا پتہ دیتی ہے۔ اصل باعث کیا ہے۔ وہ کون سے اسباب ہیں۔ جو دنیا کی ایک ایسی زبردست طاقت کو بربادی کے عمیق غار کیطرف لئے جا رہے ہیں۔ اس نہایت اہم سوال کا جواب ایک نامور جاپانی مورخ نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب موسومہ "سلطنت برطانیہ کا انحطاط و زوال" میں نہایت وضاحت سے دیا ہے جسنے یورپ کی سیاسی دنیا میں ہلچل ڈالدی ہے۔[1] مورخ ممدوح عالم تصور میں ایک سو سال کی زقند بھر کر سنہ ۲۰۰۵ء میں پہنچ گئے ہیں۔ اور جو کیفیت انہیں اس وقت دولت برطانیہ کے نظم و نسق کی نظر آرہی ہے۔ انکو مدنظر رکھکر وہ بطور پیشین گوئی برطانیہ کی سو سال بعد کی جو حالت دکھاتے ہیں۔ وہ نہایت ہیبت ناک ہے۔ نکتہ رس مورخ نے تمام حالات پر ناقدانہ نگاہ ڈالتے ہوئے اس قلیل و دل تالیف کے ذریعہ سے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ اگر اس رفیع الشان قوم کے جسکی وسیع مملکت پر آفتاب کبھی غروب نہیں ہوتا یہی لیل و نہار رہے تو (خدا نخواستہ) اسکی تباہی و بربادی کے سب سامان فراہم ہو چکے ہیں۔ اور اسکا حشر بھی انجام کار وہی ہونیوالا ہے۔ جو اس سے قبل دوسری شاندار سلطنتوں کا ہو چکا ہے۔ مصنف نے نہایت خوبی سے دکھایا ہے کہ جن اسباب کیوجہ سے سلطنت روما کی عظمت و شان کا خاتمہ ہوا تھا۔ وہی اسباب اسوقت سلطنت برطانیہ کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ جنکی تفصیل یہ ہے۔

تمام خیر خواہان دولت برطانیہ کی (جنمیں مسلمانوں کو ایک ممتاز درجہ حاصل ہے) یہ دلی آرزو ہے کہ جاپانی مورخ کا خیال اس عالمگیر حکومت کے تنزل کے متعلق غلط ثابت ہو لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ انگلستان کے بہت سے اخبارات و رسائل "نیشنل سروس لیگ جرنل لنڈن" کی زبان میں باآواز بلند یہ کہہ رہے ہیں کہ "اس کتاب میں اُن تمام اسباب سے دلنشین و مؤثر پیرایہ میں بحث کیگئی ہے جو اسوقت سلطنت برطانیہ کی بنیادوں کو متزلزل کر رہے ہیں" اور نامور اخبار "اسٹنڈرڈ" کے ہم آہنگ ہو کر تسلیم کر رہے ہیں "کہ یہ کتاب نہایت متانت ایمانداری اور نیک نیتی سے لکھی گئی ہے" تو ان اسباب کی موجودگی میں کچھ شبہ نہیں رہجاتا۔

[1] کتاب کا اصل نام یہ ہے "سلطنت برطانیہ کا انحطاط و زوال"۔ ہمیں جو عقیدت سلطنت برطانیہ سے ہے۔ اسکے لحاظ سے مناسب سمجھا گیا کہ اردو ترجمہ کو یہ مہیب نام دینا مناسب نہیں سمجھا۔ اور اسلئے کتاب [illegible]

کا ایک سمندر موجزن ہے۔ فاقہ کشوں کی فوج ملک کو ہضم کر جانے کے درپے ہے۔ طبقۂ نسوان سودائے حریت میں بدمست ہے۔ اور گورنمنٹ چاروں طرف سے اپنے تئیں ایسی غضبناک طاقتوں سے گھرا ہوا پاتی ہے۔ جن سے عہدہ برآ ہونے کیلئے غیر معمولی ہمت غیر متزلزل ثابت قدمی اور شجاعت کی ضرورت ہوگی۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس ہولناک حالت کا جو ایک انقلابِ عظیم کا پتہ دیتی ہے۔ اصل باعث کیا ہے۔ وہ کون سے اسباب ہیں۔ جو دنیا کی ایک ایسی زبردست طاقت کو برباد یعنی عمیق غار کیطرف لئے جا رہے ہیں۔ اس نہایت اہم سوال کا جواب ایک اولو العزم جاپانی مؤرخ نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "سو سال میں سلطنت برطانیہ کا انحطاط و زوال"[1] میں نہایت وضاحت سے دیا ہے جس نے یورپ کی سیاسی دنیا میں ہلچل ڈالدی ہے۔ مؤرخ ممدوح عالم[ا] میں ایک سو سال کی زقند بھر کر سنہ ۲۰۰۰ء میں پہنچ گئے ہیں۔ اور جو کیفیت انہیں اس وقت دولت برطانیہ کے نظم و نسق کی نظر آ رہی ہے۔ اسکو مدنظر رکھکر وہ بطور پیشین گوئی برطانیہ کی سو سال بعد کی جو حالت دکھاتے ہیں۔ وہ نہایت ہیبت ناک ہے۔ نکتہ رس مؤرخ نے تمام حالات پر ناقدانہ نگاہ ڈالتے ہوئے اس قلیل و دل نشیں تالیف کے ذریعہ سے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ اگر اس رفیع الشان قوم کے جسکی وسیع مملکت پر آفتاب کبھی غروب نہیں ہوتا یہی لیل و نہار رہے تو (خدا نخواستہ) اسکی تباہی و بربادی کے سامان فراہم ہو چکے ہیں۔ اور اسکا حشر بھی انجام کار وہی ہونیوالا ہے جو اس سے قبل دوسری شاندار حکومتوں کا ہو چکا ہے۔ مصنف نے نہایت خوبی سے دکھایا ہے کہ جن اسباب کی وجہ سے سلطنت روما کی عظمت و شان کا خاتمہ ہوا تھا۔ وہی اسباب اسوقت سلطنت برطانیہ کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں جنکی تفصیل یہ ہے۔

تمام خیر خواہان دولت برطانیہ کی (جنمیں مسلمانوں کو ایک ممتاز درجہ حاصل ہے) یہ دلی آرزو ہے کہ جاپانی مؤرخ کا خیال اس عالمگیر حکومت کے تنزل کے متعلق غلط ثابت ہو لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ انگلستان کے بہت سے اخبارات و رسائل مثل سروس اینگ جرنل لنڈن" کی زبان میں باواز بلند یہ کہہ رہے ہیں کہ "اس کتاب میں اُن تمام اسباب سے دلنشین و مؤثر پیرایہ میں بحث کیگئی ہے جو اسوقت سلطنت برطانیہ کی بنیادوں کو متزلزل کر رہے ہیں" اور نامور اخبار "اسٹنڈرڈ" کے ہم آہنگ ہو کر تسلیم کر رہے ہیں کہ کتاب "نہایت متانت ایمانداری اور نیک نیتی سے لکھی گئی ہے" تو ان اسباب کی موجودگی میں کچھ شبہ نہیں رہتا۔

[1] کتاب کا اصل نام یہ ہے "سلطنت برطانیہ کا انحطاط و زوال"۔

ہیں جو عقیدت سلطنت برطانیہ کو ہے سلطنت کے لحاظ سے مناسب ترجمہ کو یہ مہیب نام دینا نامناسب سمجھا۔ اور اسلئے کتاب

[illegible]

اور در اصل یہی امر اس بات کا محرک بھی ہوا ہے۔ کہ ہم اس کے اردو ترجمہ کو (۱) برطانیہ کے ارباب حل وعقد اور (۲) اسکی رعایا اور بالخصوص مسلمانوں کی خاص توجہ کیلئے پیش کریں۔ گورنمنٹ کو اسجانب اسلئے خاص توجہ کی ضرورت ہے کہ اگر یہ عیوب و نقائص جیسا کہ خود انگلستان کے گرامی قدر صحائف نے تسلیم کیا ہے۔ واقع میں سلطنت میں موجود ہیں تو انکے رفع کرنے کیلئے سرگرم کوشش عمل میں لانی چاہیئے۔ اور جبتک اُن کا دارو طور پر قلع قمع نہ ہوجائے۔ مدبران سلطنت کو غافل نہونا چاہیئے۔ ہماری رائے میں دولت برطانیہ کیلئے صرف اسقدر کافی نہیں ہے کہ وہ اپنی تمامتر توجہ بری فوج کی تقویت یا بحری طاقت کے نشو و نما سوسائٹی کی خرابیوں یا مسئلہ (نقل مکان) کے حل میں صرف کرے ضرورت اسبات کی ہے کہ دیوان عام و دیوان خاص اور گورنمنٹ کے مختلف عہدہ دار آپس میں لڑنے جھگڑنے کی بجائے اپنے ملک اور اپنی وسیع سلطنت کی ذمہ واریوں کو محسوس کریں اپنی بری و بحری بنیاد کو مستحکم کرنے کے علاوہ۔ قوم کی اخلاقی عقلی مذہبی جسمانی اور تعلیمی ضروریات کا بھی بیش از بیش خیال رکھیں۔ اور اپنی حکومت کو اس تباہی سے بچائیں جو اس نکتہ فہم جاپانی مورخ کے خیال کے مطابق پوری صدی کے اندر اندر اسپر نازل ہونیوالی ہے۔

جاپانی مورخ نے یہ مرقع عبرت اپنی قوم کے روبرو محض اس غرض سے پیش کیا ہے کہ وہ قوموں اور حکومتوں کے اسباب زوال سے آگاہ ہوکر اپنے آپ کو اُن سے بچائے۔ اور دردانگیز پیرایہ میں اپنے ہموطنوں سے خطاب کیا ہے "آؤ ہم اس منتہائے خیال کی اصل حقیقت کو پہچانیں جو ہمیں اپنے پیش نظر رکھنا چاہیئے ہم انگریزوں کے ساتھ بہت سے امور میں مشابہت رکھتے ہیں۔ ہماری جسمانی حالت ویسی ہی صحیح و سالم ہے۔ جیسی کہ اُن کی ملکہ الزبتھ کے زمانہ میں تھی ہمیں خدا پر اور اپنے آپ پر ویسا ہی بھروسہ ہے۔ جیسا کہ کسی زمانہ میں اُن کو تھا۔ انگریزوں کی طرح ہم بھی ایک جزیرہ میں مقیم ہیں۔ جو ایک وسیع براعظم کے کنارے پر آباد ہے ہماری تجارت بھی انکی مانند روز افزوں ترقی پر ہے۔ اور ہماری بحری طاقت اُنہی کی مانند ہے۔ آؤ ہم گذشتہ سلطنتوں کی تواریخ پر غور کریں۔ اور خبردار ہوجائیں۔ اور انگلستان کے انحطاط و زوال کا مطالعہ اسی طرح کریں۔ جس طرح کہ انگریزوں کو رومن امپائر کے تنزل کا کرنا چاہیئے تھا"۔

کاش ہم بھی اپنی قوم کو انہی الفاظ میں مخاطب کر سکتے! لیکن ہم جانتے ہیں۔ کہ خدا کی قدرت اُنہی لوگوں کی یاوری کرتی ہے۔ جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ مسلمان اس اصول کو فراموش کئے ہوئے ہیں۔ اور اس کا خمیازہ وہ جس صورت میں بھگت رہے ہیں۔ وہ اس سے ظاہر ہے کہ زمانہ کے زبردست ہاتھ نے اُن کی ہمہ گیر صولت و جلالت کو دنیا کے تھوڑے مقامات میں محدود کر دیا ہے۔ علم و فن میں جو ید طولے انہیں کسی وقت حاصل تھا۔ اس کا طلسم ٹوٹ چکا۔ تجارت سے انہیں کچھ رغبت نہیں رہی۔ اور سیر و سیاحت کا شوق اگر باقی ہے۔ تو محرومی قسمت پیشہ بنا نہیں رہی۔ تعیش و تغافل کی گرم بازاری نے روح ہمت کو سلب کر لیا ہے۔ اور وہ محض ہڈیوں کا ایک ڈھیر رہ گئے ہیں۔ تاہم چونکہ خدائے قدیر اس کی قدرت رکھتا ہے۔ کہ نیست کو ہست میں تبدیل کر دے۔ سوکھے ہوئے تنے کو بارآور درخت بنادے۔ اور بیجان جسم میں روح حیات پھونک دے۔ اسلئے کیا عجب ہے کہ مسلمانوں کی درماندہ قوم دوسری مقتدر سلطنتوں کے عبرت انگیز

حالات پڑھکر اپنی گذشتہ جلالت وعظمت کو یاد کرے۔ اور اپنی موجودہ حالت کو صحیح طور پر محسوس کر کے ان جراثیم کو ہلاک کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ جو اس سے پہلے مسلمانوں کے علاوہ اور بہت سی قوموں کا خاتمہ کر چکے ہیں۔ اور جن کی موجودگی دنیائے اسلام کی رہی سہی طاقت کو بھی نابود کر رہی ہے۔ ورنہ اس شک نہیں ہے۔ کہ بقول مسٹر گلیڈ اسٹون:۔

"جو قومیں تاریخ کی تنبیہات کو گوش ہوش سے نہیں سنتیں۔ اور واقعات عالم کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔ ان کا انجام یقیناً موت ہے"

کیا یہ امید کی جاسکتی ہے۔ کہ مدبرین برطانیہ ان نقائص کو رفع کر کے آنیوالے ...لاب عظیم سے اپنی قوم اور حکومت کو بچائیں گے۔ اور نیز مسلمان ان حالات ...ے سبق سیکھ کر اپنی رہی سہی طاقت کو دستبرد زمانہ سے محفوظ رکھنے اور اپنی قومیت ...، بنیاد کو مستحکم و پائدار بنا کر اس پر ایک ایسی رفیع الشان عمارت بنانے میں کامیاب ...ہ گے۔ جو زمانہ کی آنکھ نے اس سے پہلے نہ دیکھی ہو۔

یہ کتاب جاپان کے قومی مدارس کی اعلےٰ جماعتوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ ...ز بان انگریزی کے علاوہ اس کا یورپ کی کئی اور زبانوں میں ترجمہ شائع ہو چکا ...۔ مشہور ہے۔ کہ انگلستان اور جاپان کے مابین جو گہرا رشتۂ اخوت و ...ا د اس وقت قائم ہے۔ وہ ایک بہت بڑی حد تک اس کتاب کے نتائج پر ...نی ہے۔ ہمیں امید ہے۔ کہ ہندوستان کی مشترکہ زبان اردو میں بھی اس کی ...شاعت مفید نتائج پیدا کرے گی۔

۲۱ ستمبر ۱۹۱۲ء

محمد عبد اللہ منہاس

دیباچۂ مُصنّف

یہ مختصر سی کتاب جاپان کے قومی مدارس کی اعلےٰ جماعتوں کے لئے تصنیف کی گئی ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے مُلک کی ایک دیرینہ ضرورت پوری ہو گی۔ جو سلطنت تاریخ عالم میں اپنا نام سنہری حروف میں لکھوانا چاہتی ہے۔ اُسے اس امر کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئیے۔ کہ اُس سے پہلے اُس جیسی بہت سی مغرور اور جلیل القدر سلطنتیں صفحۂ ہستی سے محو ہو چکی ہیں۔ اور اگر وہ خود ایسے ناگوار انجام سے محفوظ رہنا چاہتی ہے تو اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ اپنی رعایا کو بچپن ہی سے پیشرو حکومتوں کی غلطیوں اور فروگذاشتوں سے آگاہ کرے۔ تاکہ اگر ممکن ہو تو وہ اپنے تئیں اُن غلطیوں سے بچائے باشندگان انگلستان اگر بیسویں صدی کے آغاز میں گبن کی مشہور تصنیف موسُوم بہ "سلطنت روما کا انحطاط و زوال" کی جانب متوجہ ہوتے۔ تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ جو حالات اُس مؤرخ نے رومن امپائیر کی نسبت تحریر کئے ہیں۔ وہ اُن کے اپنے حالات سے کس درجہ مماثلت رکھتے ہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ انہوں نے اس قابل قدر تالیف کی طرف مطلق توجہ نہیں کی۔ اور اس کا خمیازہ جو انہیں بھگتنا پڑا۔ وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ اس کتاب کی تالیف میں مَیں اُسی جفاکش اور محنت کوش مُصنّف کا رہین منت ہوں۔ اکثر حالتوں میں مَیں یہ دیکھکر ششدر رہ گیا ہوں۔ کہ جو کلمات اُس عالی قدر مؤرخ نے روما کے زوال کی بابت لکھے ہیں۔ وہ بیسویں صدی کے انگلستان کے حالات سے بالکل ملتے جلتے ہیں۔

ٹوکیو ۱۹۰۲ء　　　　مُصنّف

تمہید

ہمارے مقتدر و عالی مرتبت مغربی حلیف (برطانیہ) کا ناگہانی زوال جو دس برس ہوئے۔ وقوع میں آیا۔ اگرچہ کوتاہ نظر لوگوں کے نزدیک ایک امر غیر متوقع تھا۔ تاہم اُن چند غور بین افراد کے لئے یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی جو سلطنتوں اور قوموں کے عروج و زوال کے مسائل پر غور کرتے رہتے ہیں اور اُن اسباب سے آگاہ ہیں۔ جو حکومتوں کی تباہی و بربادی کا باعث ہوئے ہیں۔ کوئی مصنف جو پہلو میں دل رکھتا ہے۔ انگلستان کے انحطاط کو محض ایک سنجیدہ مؤرخ کی ناقدانہ نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے میں اپنے ناظرین کو اُس محبت اور اُنس کی جانب توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ جو ہماری قوم کو ہمیشہ سے انگریزوں کے ساتھ ہے۔ اور یہ بھی بیان کرنا چاہتا ہوں۔ کہ جس وقت ہمیں یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ ہم اپنے جہاز انگریزوں کی مدد کے لئے مغرب بعید کو نہیں بھیج سکتے۔ تو ہمیں سخت مایوسی اور پریشانی ہوئی تھی۔ کیپ ٹاؤن کی طرف سے راستہ اسقدر طویل تھا کہ اس طرف سے کمک کا تعجیل تمام لیجانا کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ لیکن اگر ہم اپنی اعانت سے اہل برطانیہ کو اس ہولناک مصیبت سے بچا لینے میں کامیاب بھی ہو جاتے۔ تو اس کا نتیجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک قلیل و مختصر مدت کے لئے انہیں مہلت مل جاتی۔ ان کے اسباب کمزوری ایسی سختی سے جڑ پکڑے ہوئے تھے۔ کہ وہ ایک دن میں رفع نہیں کئے جا سکتے تھے۔ واقع میں باشندگان انگلستان اسقدر نحیف۔ بے چارہ اور پست ہمت ہو گئے تھے۔ کہ دنیا کی قسمتوں کی باگ ڈور سنبھالنا ان کے لئے بالکل ناممکن ہو گیا تھا۔

جس طرح بابل اور شام کی شاندار سلطنتیں مٹ گئیں۔ مگر ان کی یادگاریں ابھی تک ان کی یاد کو تازہ کر رہی ہیں۔ مصر کی قدیم حکومت نابود ہو گئی۔ مگر اس کے مخروطی مینار

اب تک اسر اٹھائے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ قرطاجہ (کارتھیج) محو ہوگیا۔ مگر اس کی ملکہ کا نام ہنوز زندہ ہے۔ روما کی پُرجلال مملکت ناپید ہوگئی مگر اس کا قانون ابھی تک قائم ہے اسی طرح انگلستان گو نہیں رہا مگر وہ عامتہ الناس کے لئے اپنا لازوال شیکسپیر[1] اور اپنی عالمگیر زبان بطور یادگار چھوڑ گیا ہے۔ اور جب تک وہ ملک الشعراء اور دنیا کی یہ مشترکہ زبان باقی رہے گی تب تک انگلستان کی تاریخ بنی نوع انسان کیلئے درسگاہ بنی رہے گی۔ اور اس کے انحطاط وزوال کی داستان زندہ قوموں کے روبرو اُن نمایاں اثرات کو ہمیشہ پیش کرتی رہے گی۔ جو قومی زوال کے جراثیم کو ترقی دیتے اور روئے زمین کی حکومتوں میں تغیر و تبدل کا سلسلہ قائم رکھتے ہیں۔

اس لئے اگرچہ ہندوستان خرس روس کے پنجہ میں گرفتار ہے جنوبی افریقہ جرمنی کے زیر اقتدار چلا گیا ہے۔ مصر پر سلطان المعظم کا پھریرا لہرا رہا ہے۔ کینیڈا امریکن عقاب کے پروں کے نیچے پناہ گزین ہے اور آسٹریلیا مکاڈو کے ملحقات میں شامل ہوگیا ہے۔ تاہم انگلستان کی وسیع و عظیم الشان حکومت کے ان سابقہ مقبوضات میں روما کی جلیل القدر سلطنت کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کی مانند مشترکہ تاریخ اور ایک عالمگیر مشترکہ زبان کے نشانات ہمیشہ ہویدا رہیں گے۔

---

[1] انگلستان کا سب سے بڑا شاعر اور ڈرامانویس ولیم شیکسپیر ۱۵۶۴ء میں پیدا ہوا اُس کے بچپن کے حالات کسی کو معلوم نہیں ہیں۔ بجز اس کے کہ ۱۸ سال کی عمر میں اُس کی شادی ہوئی تھی جس سے اس کے ہاں تین لڑکے ہوئے۔ اس کی سب سے پہلی تالیف ۱۵۵۳ء میں شائع ہوئی اس کے بعد ایک طویل سلسلہ ڈرامے کی کتابوں کا شروع ہوا جس کو ادنےٰ و اعلیٰ اور رئیس و رعیت نے حسن قبول کے ہاتھوں پر لیا۔ شیکسپیر درواقع میں انگلستان کا لازوال شاعر ہے۔ جب تک انگریزی زبان باقی ہے۔ اس کا نام آسمان شہرت میں آفتاب بنکر چمکتا رہے گا (مترجم)

انگلستان کے انحطاط و زوال کی کوئی تاریخ تحریر میں موجود نہیں ہے کہتے ہیں کہ ایک چینی مؤرخ ایسی تاریخ لکھنے میں مصروف ہے۔ مگر اُسے یہ تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں کیونکہ جیسا کہ میں نے دیباچہ میں اشارۃً بیان کیا ہے۔ انگلستان کے تنزل کی تاریخ گبن[1] کی تاریخ میں موجود ہے۔ اس تاریخ کی ساتوں جلدیں مطالعہ کرنے اور ان کا موازنہ بیسویں صدی کی انگریزی زندگی کے واقعات کے ساتھ کرنے سے میں یہ معلوم کرکے حیرت زدہ رہ گیا کہ دونوں طاقتوں کے اسباب تنزّل یکساں تھے۔ فرق صرف اسقدر تھا کہ انگلستان کا زوال جلد تر وقوع میں آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میدان مقابلہ میں بہت سی قومیں مصروف پیکار تھیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سلسلۂ کلام کا آغاز اُس الہامی فعل کے ذکر سے کروں۔ جو ایک انگریز مدبر سے ۱۹۰۵ء میں ظہور میں آیا۔ لارڈ روزبری[2] اپنی تحریروں میں نہایت معقول پسند واقع ہوئے تھے۔ لیکن ان کی معقولیت کا اظہار ایسے تاسف آفرین پیرایہ میں کبھی نہیں ہوا۔ جیسا کہ اس وقت ہوا جبکہ انہوں نے اپنے گھوڑے کا نام جس کی

---

[1] یہ نامور مؤرخ ۱۷۳۷ء میں پیدا ہوا تھا اس کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ اس کی مشہور تالیف "سلطنت روما کا انحطاط و زوال" ہے۔ جس کا خیال اُسے اٹلی کی سیاحت سے پیدا ہوا۔ اور جس کی پہلی جلد ۱۷۷۶ء میں شائع ہوئی۔ باقی ماندہ تینوں حصے ۱۷۸۸ء میں اشاعت پذیر ہوئے۔ اور یہ دنیا کا شاندار مؤرخ ۱۷۹۴ء میں راہی ملک عدم ہوا۔ (مترجم)

[2] مصنف کو اس بات کا احساس ہے کہ اس نہایت دلفریب شخصیت کا ذکر اس نامہربانانہ پیرایہ میں نہیں ہونا چاہیئے تھا اور اس کے لئے معذرت کی ضرورت ہے لیکن وہ توقع رکھتا ہے کہ شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کے عہد کے سیاسیات اور علوم کے متعلق جسقدر حوالے اس کتاب میں دیئے گئے ہیں ان کو اہل انگلستان اُسی فیاضی اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں گے۔ جس کو مدنظر رکھکر وہ تحریر کئے گئے ہیں۔ (مصنف) (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر درج ہے)

بدولت وہ "ڈربی" کی گھوڑ دوڑ جیتنے کے قابل ہوئے تھے۔ سیسرو[۵] رکھا۔ اور اگر اس

لارڈ روزبری ۱۸۴۷ء میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۸۶۰ء میں اپنے جد امجد کے جانشین مقرر ہوئے۔ ۱۸۸۱ء سے ۱۸۸۳ء تک وہ صیغہ داخلہ کے انڈر سکرٹری رہے۔ ۱۸۸۵ء میں پریوی سیل اور فسٹ کمشنر آف ورکس کے عہدہ پر متمکن ہوئے۔ ۱۸۸۶ء میں اور نیز دوبارہ ۱۸۹۲ء سے ۱۸۹۴ء تک فارین سکرٹری رہے۔ ۱۸۸۰ء میں ایڈنبرا یونی ورسٹی کے لارڈ رکٹر اور ۱۸۸۹ء میں لنڈن کونٹی کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۸۸۹ء اور ۱۸۹۲ء میں وہ اس کونسل کے صدرنشین رہے۔ ۱۸۹۴ء سے ۱۸۹۵ء تک وزارت عظمےٰ کے عہدہ کو زیب دی۔ ۱۸۹۶ء میں حزب الاحرار (لبرل پارٹی) کی لیڈری سے سبکدوش ہوئے۔ انہوں نے ادبی واجتماعی مسائل پر کثرت سے تقریریں کی ہیں۔ دسمبر ۱۹۰۱ء میں وہ نئے سرے سے میدان سیاست میں اترے۔ اور لبرل لیگ کے پریزیڈنٹ ہوکر وہ سنٹری یونی ورسٹی کے چانسلر ہیں۔ اور ۱۹۱۱ء میں ارل بنائے گئے۔ (مترجم)

۵ مارکس ٹولیس سیسرو روما کا سب سے بڑا مقرر ۱۰۶ ق۔م پیدا ہوا۔ وہ یونانی ادبیات کا ماہر تھا۔ اُس نے یونان کی سیاحت کرکے اساتذہ علم الخطابت سے استفادہ کیا۔ اور ایشیائے کوچک کی بادیہ پیمائی کرتے کرتے ایک مدت تک جزیرہ روڈس میں مقیم رہا۔ کچھ زمانہ کے لئے وہ جزیرہ سسلی کا خزینہ دار اعظم بھی رہا۔ جہاں اُس نے اپنے فرائض کی بجا آوری میں انصاف کو ہمیشہ مدنظر رکھا۔ اور سسلی کے گورنر ورس کے مقابلہ پر باشندگان سسلی کی جانب داری اور حفاظت کا پورا پورا حق ادا کرتا رہا۔ ۶۳ سال ق۔م وہ قنصل مقرر ہوا تھوڑی مدت بعد اُس کی شہرت کے آفتاب میں گرہن لگنے لگا۔ اور ۵۸ سال ق۔م اس کو ملک بدر کردیا گیا۔ اُسے انٹونی کے ساتھ بید دشمنی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود مقتول ہوا۔ علم الخطابت کے متعلق اُس کی بہت سی مشہور تالیفات یورپین لٹریچر کا سرمایہ ناز ہیں (مترجم)

بدقسمت قوم کا کوئی خیرخواہ حالات مستقبل سے آگاہ ہو جاتا۔ تو اس کے لئے بہترین کام یہ ہو سکتا تھا کہ وہ مجلس شورائے انگریزی کے تمام اراکین کی خدمت میں روما کی زمانہ عروج کے گھوڑ دوڑ کے گھوڑے کا نہیں تو کم از کم سیسرو کا ایک ننھا سا بت پیشکش کرتا۔

سیسرو نہایت باتونی شخص تھا۔ وہ ہر قسم کے معاملات پر کثرت سے مسلسل گفتگو کرنے کا عادی تھا۔ اُس کی زبان کبھی عہد پیری پر رواں ہوتی۔ تو کبھی ربت شعاری اور نیک طینتی کی نسبت گل فشانی کرتی۔ ایک وقت میں وہ کتب بینی کے فوائد بیان کرتا تھا۔ تو دوسرے وقت میں وہ سیاسیات و اقتصادیات کی طرف رجوع ہوتا تھا وہ پاپی کی نسبت بھی جو اطالیوں کا لارڈ کچنر[1] تھا۔ گفتگو کیا کرتا تھا مگر اُس کی طلاقت لسانی سب سے زیادہ سلطنت روما کے فضائل و مناقب پر گوہرفشان ہُوا کرتی تھی لیکن جونہی کہ اُس نے اپنی توجہ تمام تر اُس وسیع و شاندار مملکت کی جانب مبذول کی۔ رومن امپائر کا زوال شروع ہو گیا۔ کیونکہ سلطنتوں اور حکومتوں کو صرف فصیح و بلیغ مقرروں کی ضرورت نہیں ہُوا کرتی۔ ان کے قیام و استحکام کے لئے ایسے لوگ درکار ہوتے ہیں

[1] لارڈ کچنر آف خرطوم ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے تھے ۱۸۷۱ء میں رائل انجنیری کا امتحان پاس کیا۔ اور سائپرس اور فلسطین کی پیمائش میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ مصر میں جاکر افواج مصر کو نئے سر سے ترتیب دیا۔ بحیثیت سردار خلیفہ کے مقابلہ میں فوجیں لیکر بڑھے۔ عمدرمان تک ریلوے تعمیر کی اور ۱۸۹۸ء میں خلیفہ کی فوج کو تباہ کیا جس کے صلہ میں وہ پئیر بنائے گئے اور پارلیمنٹ سے تیس ہزار پونڈ (۳۰۰۰۰) انعام پائے۔ لارڈ رابرٹس کے ماتحت چیف آف سٹاف مقرر ہوئے۔ اور لارڈ موصوف کی واپسی انگلستان پر افواج جنوبی افریقہ کے کمانڈر بنائے گئے۔ اور طویل و طویل جنگ کا خاتمہ کیا پارلیمنٹ نے شکریہ کے علاوہ وائیکونٹ بنایا اور پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) پونڈ اور دئیے ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۹ء تک ہندوستان کے کمانڈر انچیف رہے جب لنے واپسی پر فیلڈ مارشل بنائے گئے ۱۹۱۱ء میں سرالڈن گورسٹ کی جگہ مصر کے قونصل جنرل ہوئے (مترجم)

جو زبان کی نسبت ہاتھ سے زیادہ کام لے سکیں۔ اور جو اپنا فرض منصبی ادا کرنے کے لئے ہر وقت مُستعد رہیں۔

۱۹۰۵ء میں انگلستان کا دیوان عام (ہوس آف کامنز) تدریجاً مگر یقینی طور پر تیسرو اور اُس کے معاصرین کی پیروی کر رہا تھا۔ اُس نے عوام کی خواہشات کی رہنمائی کا اہم فرض نظرانداز کر دیا تھا۔ اور اس کے اراکین محض غوغائی بن گئے تھے۔ اور ٹوکیو کی نامور اخبارات کے برعکس جو عوام کے جوش و اضطراب کے ہر جھونکے سے بیقرار ہو جایا کرتے ہیں۔ ان میں عام رائے کی اہمیت کا احساس نہیں رہا تھا۔

جاپانی طالب علم کو جب یہ معلوم ہوگا کہ اہل برطانیہ کے ذمہ دار ضمنا اس قماش کے لوگ تھے تو اس کو انگلستان کے طول و عرض میں قومی انحطاط و زوال کے بیج بدنما ناسوروں کی مانند بکھرے ہوئے دیکھکر مطلق تعجب نہیں ہوگا۔ ہم اُن میں سے چند ایک ناموروں کو آئندہ ابواب میں چھیڑنا چاہتے ہیں۔

باب اوّل

دیہاتی زندگی پر شہری زندگی کو ترجیح

کسی قوم میں تنزل کی پہلی علامت اُس وقت رونما ہوتی ہے جب اس کے افراد دیہاتی زندگی کی سنجیدہ اور روح پرور مسرتوں اور راحتوں کو بھول کر بڑے بڑے قصبوں اور شہروں کی افسردگی پیدا کرنے والی شوکت اور عظمت میں رہنے لگتے ہیں۔ سلطنت روما کی کمزوری کی پہلی علامت اُس کے صاف دل اور نیک نفس کسان کا تنزل تھا۔ یہی حالت انگریزوں کی تھی۔ کھلی ہوا میں روزانہ ورزش کی عادت رفتہ رفتہ ترک کر دینے کے باعث اُن کی ہمت اور طاقت مفقود ہو گئی تھی۔ اور اُس کے ساتھ ہی اُن کی خود اعتباری بھی رخصت ہو گئی

تھی۔اس کا ایک نمایاں ثبوت یہ ہے کہ ان میں نقل مکان کر کے ممالک غیر کو جانے کی خواہش روز بروز کم ہوتی چلی جا رہی تھی یہ روبتنزل لوگ جن کے آباؤ اجداد نے ہسپانیہ کے طاقتور جہاز ڈبو دئیے تھے۔اور امریکہ میں مضبوط و تنومند آباد کار بھیج کر طوفان برپا کر دیا تھا۔موسیقی اور راگ رنگ کے بیحد دلدادہ ہو گئے تھے۔اور پیشہ ور پہلوانوں کے ہفتہ وار کرتبی جلسوں میں کثرت سے شریک ہو کر گویا قدرت کی طاقتوں سے مجادلہ و مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔

اُنیسویں اور بیسویں صدی کی انگریزی نو آبادیاں اپنی شان تعلّی میں یہ سمجھتی تھیں کہ اُن کا نظم و نسق خوش اسلوبی اور کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔لیکن یہ اُن کی خام خیالی تھی۔در اصل اُن کی حالت نہایت ناگفتہ بہ ہو رہی تھی۔آسٹریلیا از سرتاپا قرض میں مبتلا تھا۔اور انگلستان کی بہت سی برائیاں اُس میں موجود تھیں[1]۔جنوبی افریقہ کی حالت اس سے بھی نازک ہو گئی تھی۔اُس کا انحصار تمام تر مشرق سے آئے ہوئے مزدوری پیشہ لوگوں کی پیداوار پر تھا۔تمام نو آبادیوں میں اگر کہیں کامیابی کی جھلک نظر آتی تھی تو وہ فوج نجات (سالویشن آرمی) کی ان نو آبادیوں میں تھی۔جو اُس نے مزدوروں کیلئے کینیڈا میں قائم کر رکھی ہیں۔امریکہ کی اصلی نو آبادیوں کی مانند ان میں صرف اس وجہ سے کامیابی ہوئی تھی کہ ان کی بنا خدائے مطلق کے علمی اعتقاد پر رکھی گئی تھی۔جو لوگ سودائے استعمار میں کامیابی حاصل کرنے کی آرزو رکھتے ہوں۔اُن کے لئے لازمی ہے کہ وہ گورنمنٹ سے امداد لینے یا یکہ و تنہا بے ٹھکانا پھرنے کی بجائے خوف خدا کا زاد راہ لیکر قافلے کی صورت میں

---

[1] اہل آسٹریلیا بیجا طور پر (اور اسمیں اُنہی کا نقصان ہے) سیر و تفریح۔گھوڑ دوڑ کے دلدادہ تقریر اور خیال آفرینی کی تعلّی میں غرق۔سیاسی تجربوں میں محو اور مالی غفلت اور بے فکری۔کوتہ اندیشی۔بے ترتیبی۔اور جھوٹی شیخی اور نمود میں مبتلا ہیں۔ایک آسٹریلین مصنف کا قول ملاحظہ ہو اخبار سپکٹیٹر مطبوعہ ۱۹ اگست ۱۹۰۵ء۔ (مصنف)

منزل مقصود کی راہ لیں۔ یہ بات اس زمانہ کے انگریزوں کو میسر نہیں تھی۔ اُنہیں نہ خدا پر بھروسہ تھا نہ اپنی ذات پر۔ لیکن ہمیں صرف انہی کو مورد طعن و تشنیع نہیں بنانا چاہئے کیونکہ شہری زندگی خواہ وہ اقتصادی فوائد سے کتنی ہی لبریز کیوں نہ ہو۔ جبتک اُسکے اثرات کا مقابلہ تندہی سے سختی سے نہ کیا جائے۔ وہ انجام کار ہمارے اعلےٰ و برتر طاقتوں کے احساس پر نہایت برباد کن اثر ڈالتی ہے۔ جن کے توسط سے ہماری رسائی خدا تک ہو سکتی ہے۔ اہل جاپان خبردار رہیں۔ مبادا کہ وہ شہری زندگی کی ترقی پذیر ہوس میں اُس طاقتور حقیقی صداقت کو نظرانداز کر دیں۔

انگریزوں کی کمزور اور مخدوش صحت اور طبعی و جسمانی حالت کا تذکرہ میں آگے چلکر کروں گا۔ زراعت کے تنزل کا ایک اور نہایت بُرا نتیجہ گبن نے اس خوبی کیساتھ بیان کیا ہے کہ میں اُسے اُسی کے لفظوں میں درج کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ٹائبریس (Tiberius) کے عہد میں ہی اٹلی میں زراعت کا تنزل شروع ہو گیا تھا۔ اور یہ شکایت بجا طور پر پیدا ہو گئی تھی۔ کہ اہل رومائی زندگی کا دارمدار باد و باراں اور بحر مواج کے حوادث پر رہ گیا تھا۔" ذرا سے تغیر کے ساتھ یہ فقرہ انگریزوں کی حالت پر چسپاں کیا جا سکتا ہے۔ بیسویں صدی کے چڑھاؤ کے ساتھ وہ روز بروز بیرونی امداد کے محتاج ہوتے جاتے تھے وہ اپنے ناموزون شہروں میں جمع ہو ہو کر حب وطن کے گیت گاتے تھے۔ مگر توپوں کی ضرورت پڑتی تھی تو جرمنی کا دروازہ کھٹکھٹاتے تھے۔ زندگی بسر کرنے کے طریقے سیکھنے کے لئے ٹالسٹائی[1]۔ ویگنر[2] اور تھوریو[3] کی آگے زانوئے

---

[1] کونٹ لیو ٹالسٹائی نامور روسی فسانہ نویس فلاسفر ۱۸۲۸ء میں پیدا ہوا تھا۔ اُس نے فوج میں بھرتی ہو کر جنگ کیمیا میں کارہائے نمایاں انجام دئے۔ اور جنگ سے فارغ ہوتے ہی اُس نے محاصرہ سبٹاپول کے ایسے رنگین و دلچسپ حالات شایع کئے کہ اُس کی علمیت و قابلیت کا شہرہ چاروں طرف پھیل گیا۔ یہ اُس کی شہرت و ناموری کا سنگ بنیاد تھا۔ اُس کی مشہور تالیف "جنگ و امن"

(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

ادب نہ کرتے تھے۔ اور مزنا سیکھنے کے واسطے ہمارے پاس آتے تھے۔ حب الوطنی کا جذبہ پیدا کرنے کی غرض سے انہیں اپنی گذشتہ تاریخ سے مدد لینی پڑتی تھی۔ اور قوت لایموت حاصل کرنے کی خاطر انہیں ہر کس و ناکس کے آگے ہاتھ پھیلانے پڑتے تھے۔*

باب دوم

بحری زندگی کو فراموش کر دینے کا میلان

اہل برطانیہ کے بے شمار ہباب تنزل میں یہ سب سے زیادہ شرمناک تھا۔ جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا تھا۔ ان لوگوں کے دلوں میں جو "فرزندانِ موج" کہلانا پسند کرتے تھی بحری زندگی کی طرف سے سخت نفرت و حقارت پیدا ہوتی جاتی تھی۔ ہر سال دولت سے

اُس کا سب سے بڑا علمی کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ اور ۱۸۱۲ء کے واقعات کی جو تصویر اُسنے اپنے خاص دلکش و دلنشین انداز میں اس تالیف میں کھینچی ہے۔ وہ اسی کا حصہ تھی۔ ٹالسٹائی کی بے شمار چھوٹی چھوٹی کتابیں مذہب اور تعلیم کے متعلق ہزار ہا خلق خدا کی رہنمائی کا باعث ہیں۔ ٹالسٹائی کا انتقال ۱۹۱۰ء میں ہوا (مترجم)

۲۔ ولیم وگنر مشہور ڈرامانویس ۱۸۱۳ء میں پیدا ہوا تھا۔ اُس نے لیپزگ اور ڈرسڈان میں تعلیم پائی تھی۔ وہ اسی قسم کے مشاغل کے متعلق مختلف ممالک یورپ میں پھرتا اور شہرت حاصل کرتا رہا۔ ۱۸۸۳ء میں اُس کا انتقال ہوگیا۔ (مترجم)

۳۔ مشہور امریکن فلاسفر ہنری ڈیوڈ تھوریو ۱۸۱۷ء میں پیدا ہوا۔ اور کئی سال تک سکول ماسٹر کا کام کرتا رہا۔ ۱۸۴۵ء میں اُسنے جنگل میں اپنے ہاتھ سے ایک کٹیا تعمیر کی جمیں وہ دو سال تک دنیا کے جھمیلوں سے آزاد ہو کر زندگی بسر کرتا رہا۔ اُس کی تصنیفات اُس کی موت کے بعد شائع کی گئیں۔ اور وہ ایمرسن کا بڑا بھاری دوست تھا۔ (مترجم)

مردان بیمار صحت و تندرستی کی تلاش میں بحری سفر اختیار کرتے تھے۔ لیکن جہازران ہر حالت میں غیر اقوام کے لوگ ہوتے تھے۔ ہر سال مریل اور ناکارہ باشندگان برطانیہ اپنے کمزور و درماندہ جسموں کی طاقت کو بحال کرنے کے لئے سواحل بحر کی سیر کرتے تھے لیکن ان میں اتنی ہمت نہیں رہی تھی۔ کہ وہ اپنے تجارتی جہازوں کی جہازرانی اور ملاحی بھی کرتے[۱]۔ ہمیں وہ وقت بخوبی یاد ہے جب ایک موقع پر انہیں بعض شریف اقوام کے ساتھ نبرد آزما ہونا پڑا تھا۔ تو اُن کے پاس کافی بحری فوج مستحفظ Reserve موجود نہیں تھی۔ ہمیں یہ بھی یاد ہے۔ کہ اُن کے جہازوں کی جن کی عنان اجنبی لوگوں کے ہاتھوں میں تھی۔ وقت پر کس طرح بغاوت اختیار کر لی تھی۔ اور کس طرح عین موقع پر انہیں چکمہ دیا تھا۔ ہمیں خوب معلوم ہے۔ کہ انحطاط کی آخری منازل میں اہل انگلستان نے حیرت انگیز تعجیل کے ساتھ اپنے بحری و تجارتی جہازوں میں اپنے ہی انجنیئر اور پولیس مین تعینات کر دیئے تھے۔ جس کا انجام یہ ہوا تھا۔ کہ انہیں غنیم کے ہاتھوں نہایت شدید ہزیمت اُٹھانی پڑی تھی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں جبکہ یہ تمام نقائص واضح اور نمایاں ہوتے جاتے تھے۔ انگریزوں کو جس بات کی ضرورت تھی وہ یہ تھی کہ ان کی مجلس وزراء کے ارکین پریزیڈنٹ روزولٹ[۲] کے نمونے کے لوگ ہوتے۔ ادائے فرض کا خیال جن کی سرشت میں

---

[۱] لارڈ مسکری کے تخمینہ کے مطابق ۱۹۰۵ء میں برطانیہ کے تجارتی جہازوں میں اجنبی ممالک کے ملازمین حسب ذیل تھے۔ ۱۱۵ کپتان۔ ۲۹۹۱ تحت افسر۔ ۴۰۰۰۰ بحری سپاہی اور بہت سے تجارتی جہاز ایسے تھے۔ جن کے تمام ملازم ممالک غیر کے لوگ تھے۔ (مصنف)

[۲] تھیوڈور روزویلٹ ۱۸۵۸ء میں بمقام نیویارک پیدا ہوئے۔ ہارورڈ یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ ۱۸۹۵ء میں نیویارک پولیس بورڈ کے پریزیڈنٹ ۱۸۹۷ء میں صیغۂ بحری کے اسسٹنٹ سکرٹری ہوئے ۱۸۹۸ء میں ہسپانیہ کے ساتھ جنگ کے موقع پر اپنی ایک رجمنٹ بنائی۔ اسی سال میں ریاست نیویارک کے گورنر سن ۱۹۰۰ء میں اضلاع متحدہ امریکہ کے وائس پریزیڈنٹ اور اسی سال

داخل ہوتا۔ جن کے جسم پختہ و مضبوط اور جن کے دل و دماغ رموز مملکت پر حاوی ہوتے۔ جو یورپ کے سامان حرب کے بہرہ کرنے والے شور و شغب میں اپنی قوم کو مست مئے خواب نہ ہونے دیتے +

باب سوم

نفاست اور تعیش و تغافل کی ترقی

گبن نے اپنی تاریخ میں اس کا ذکر خاص طور پر کیا ہے۔ اور سلطنت برطانیہ کے زوال کی تاریخ لکھنے والے کو بھی اس بارے میں سختی سے کام لینا پڑیگا۔ دونوں قوموں کی برائیوں میں حیرت انگیز مشابہت پائی جاتی تھی۔ دونوں کا رجحان طبیعت اس طرف پایا جاتا تھا۔ کہ ہماری حیات مستعار کا مقصد اولےٰ عیش و عشرت اور امن و راحت ہے۔ پُر تکلف ضیافتوں کا شوق جسمانی ورزش سے پہلوتہی۔ اور دخانی یا تلکی نسل کا ترقی پذیر استعمال دونوں میں یکساں تھا۔ دونوں سلطنتوں میں ایسے نا فرض شناس سرمایہ دار کثرت سے پائے جاتے تھے۔ جو خانگی ضروریات پر نہایت فیاضی سے روپیہ صرف کرتے تھے۔ اور نہیں جانتے تھے کہ موروثی فارغ البالی اور خوشحالی اُسی صورت میں جائز ہو سکتی ہے جبکہ وہ قوم و ملک کی راحت و فائدہ کے واسطے کام آئے +

دونوں حکومتوں میں جوں جوں وہ تباہی کے قریب آتی جاتی تھیں۔ اخراجات

یمس پریزیڈنٹ میکنلے کے قتل ہونے پر پریزیڈنٹ بنائے گئے۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں دوبارہ پریزیڈنٹ منتخب ہوئے۔ اور جنگ روس و جاپان کے موقع پر ہر دو فریقین میں مصالحت کرانے کا سہرا انہی کے سر ہے۔ ارادہ کے بڑے پکے ہیں۔ نیویارک کے اخبار "آوٹ لک" کے ایڈیٹر ہیں۔ اور اب (ستمبر سنہ ۱۹۱۲ء) تیسری مرتبہ پریزیڈنٹی کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ (مترجم)

زندگی روز بروز بڑھتے جاتے تھے۔ اور غربت و فلاس کا مسئلہ روز بروز اہم اور ضروری ہوتا جاتا تھا۔ غلے اور کھانے کی مفت تقسیم نے سلطنت روما کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔ اور سنہ ۱۹۱۰ء میں جو انگلستان کے طلباء علم کو وسیع پیمانہ پر مفت کھانا کھلایا گیا۔ وہ اُس جھوٹی خیرات کا ایک نہایت آفت زا کرشمہ تھا۔ جو انگلستان کی تباہی و بربادی کا باعث ہوئی۔ دونوں سلطنتوں میں ضعیف و مریض و الدین کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ اور دونوں میں فرض شناس۔ تنومند کاشتکار مفقود ہو گئے تھے۔

گبن نے اس شغف کا ذکر خوف و ہراس کے ساتھ کیا ہے۔ جو اہل روما کو (بالخصوص اس زمانہ میں جبکہ قوم گاتھ نے بارہا روما کا محاصرہ کیا تھا) تماشوں اور نمائشوں سے تھا۔ گبن اپنی تاریخ کی تیسری جلد کے صفحہ ۴۲۰ میں لکھتا ہے:-

"بے صبر و بیقرار لوگ پو پھٹتے ہی جوق در جوق تماشہ گاہ کی طرف دوڑے۔ تا کہ اُنہیں وہاں اچھی جگہ مِل جائے۔ اور بعض تو اسی شوق میں بے چینی و بے خوابی کے عالم میں رات بھر تماشاگاہ کے آستانے پر جبیں رگڑتے رہے"۔

یہی فقرہ انگریزوں[۱] کی حالت پر بھی چسپاں کیا جا سکتا ہے۔ جن کو تھیٹروں سے تو بیحد اُلفت تھی۔ مگر شکسپیر اور دوسرے مقتدر ڈراما نویسوں کے افادات سے وہ محض بیخبر تھے۔

باب چہارم

ادبیات[۲] و روایت کے مذاق کا زوال

۱؎ ملاحظہ ہوں اُس زمانہ کے اخبارات۔

۲؎ لٹریری اینڈ ڈرامٹک ٹیسٹ۔ Literary and Dramatic Taste.

اِس مقام پر بھی بیسویں صدی کے ادبیات و روایت تشخیصہ کے مذاق کی نسبت گبن کے الفاظ نہایت عمدگی کے ساتھ استعمال ہو سکتے ہیں۔

گبن اپنی تاریخ (جلد اول صفحہ ۷) میں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔ "لفظِ شاعر طاق نسیاں پر رکھدیا گیا تھا۔ مقرر کی جگہ کج بحثوں نے لے لی تھی۔ نکتہ چینوں، نقادوں اور مؤلفوں نے علوم و فنون کی روشنی پر تاریکی کا پردہ ڈال دیا تھا۔ اور ادب و روایت تشخیصہ سے عوام کی دلچسپی کے کم ہوتے ہی ذہانت و فطانت کی روشنی بھی خسوف میں پڑ گئی تھی"۔

یہی مؤرخ تیسری جلد کے صفحہ ۲۰۴ میں لکھتا ہے کہ "اہل روما کی روایات مغبیہ[1] و ہجونیہ[2] کا تخیل جو محض اہل یونان کی تقلید تک محدود تھا۔ سلطنت روما کے زوال پذیر ہوتے ہی مفقود ہوگیا۔ اور اُس کی جگہ ہنگامہ تماشوں، تمثیل (سوانگ بھرنا یا تھیئٹر میں ایکٹ کرنا)، زنانہ موسیقی اور زرق برق نمائش نے لے لی تھی"۔

میں نے زمانہ تنزل کے انگریز مصنفوں کی تصنیفات و تالیفات کا مطالعہ کرنے میں نہایت احتیاط سے کام لیا ہے۔ اُن میں سے بہت کم ایسے تھے جو تندرست و توانا ہونے کا دعویٰ کر سکتے تھے۔ اور جہاں تک میں دریافت کر سکا ہوں۔ اُن میں سے نہایت اعلیٰ دماغوں کی بھی عوام میں کچھ قدر و منزلت نہیں تھی۔ روما کی مانند نقاد اور مفسر بافراط پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن ذہانت کا وجود روما کی مانند یہاں بھی معدوم ہو چکا تھا۔ فرانسیسی ادبیات کی فضول تقلید انگریزی معاشرت اور علوم و فنون کے ہر شعبہ میں جلوہ گر تھی۔ اِس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ آزاد شدہ انگریز عورت اپنی حریت و آزادی کو قومی فوائد کے بجائے اپنی ذاتی اغراض کے لئے استعمال کرتی تھی بتشفل

---

[1] مغبیہ۔ (Tragedy)

[2] ہجونیہ۔ (Comedy)

اکاڈیمی میں ایک تصویر ایسی تھی جس میں ایک نہایت دلربا عورت اپنے شوہر کو ترغیب دے رہی تھی کہ وہ راہ خدا میں اور ملک کی حفاظت کے لئے اپنی جان قربان کر دے لیکن اُس کے ساتھ ہی نصف درجن اور تصویروں میں عورت کو کُٹنی کی شکل میں ظاہر کیا گیا تھا۔ جو اپنے شوہر کو تباہی و بربادی کے عمیق غار کی طرف کشاں کشاں لئے جا رہی تھی ؂

وہ روایات (ناول) جن میں افیون اور تمباکو کے کُشتگانِ ناز کا ذکر ہوتا تھا۔ زیادہ شوق کے ساتھ پڑھی جاتی تھیں۔ لیکن بنیین اور سر والٹر سکاٹ[1] کو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا۔ ہر درجہ و رتبہ کے مرد اور عورتیں ادبیات قدیمہ کی سستی اور چمکدار جلد والی کتابیں اپنی الماریوں کی آرائش و زیبائش کے لئے خرید کرتی تھیں مگر انہیں پوری توجہ سے پڑھنے والا کوئی نہیں تھا۔ روایات مجونیہ کے متعلق لغو و مہمل کتابیں۔ مصور رسالے اور اخبار اس قوم کی سب سے بڑی ذہنی غذا تھی۔ انگلستان کے زمانہ انحطاط میں مجھے صرف ایک اعلیٰ درجہ کے ممتاز مصنف سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اور سچ پوچھو تو وہ بھی دراصل اُنیسویں صدی ہی سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا نام رابرٹ لوئس سٹیونسن تھا۔ اُس کی صحت کی یہ حالت تھی۔ کہ وہ عمر بھر بیمار رہا۔ ہمیشہ خوش و خرم رہنا اُس کا کعبۂ مقصود تھا اور اُس کا کام راحت و مسرت کا کام تھا۔ اُن ہزارہا لوگوں کا حال پڑھکر نہایت پریشانی ہوتی ہے جن کا یہ اعتقاد تھا۔ کہ اُن کے حالات و معاملات کو صحیح طور پر سمجھنے والا یہی زندہ دل مریض تھا۔ اُنکی آہیں آسمان کیطرف اٹھتی تھیں مگر اُسیطرح جسطرح کہ مریضانِ موت کی آہیں اُٹھتی ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ وہ اس امر سے بھی واقف نہیں تھے ؂

[1] سر والٹر سکاٹ ۱۷۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ بڑے مشہور شاعر و فسانہ نویس تھے۔ ایڈنبرا یونیورسٹی میں تعلیم پائی تھی۔ زمانہ طالب علمی میں کچھ ایسے ذہین نہ تھے لیکن کثرت مطالعہ تاریخ و فسانہ کے باعث اندرونی جوہر ظاہر ہونے لگے۔ اور انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ ۱۸۳۲ء میں انتقال ہوا۔ (مترجم)

بابِ پنجم

طبعی و جسمانی صحت کا تدریجی انحطاط

اس بارے میں بھی گبن کے نوشتے ہماری رہبری کر رہے ہیں۔ اور جو کچھ اس نامور مؤرخ نے روما کی نسبت تحریر کیا تھا وہ گذشتہ صدی کی انگریزی زندگی کے واقعات سے گہری مطابقت رکھتا ہے۔ زمانۂ تنزل کے رومی سپاہیوں کی بابت وہ لکھتا ہے :-

"تادیب اور جسمانی ورزش کی کمی کی وجہ سے سپاہیوں میں فوجی دوڑ دھوپ کے برداشت کرنے کی قابلیت اور خواہش نہیں رہی تھی۔ وہ زرہ بکتر کبھی نہیں پہنتے تھے بایں ہمہ وہ اُس کے بھاری ہونے کے شاکی تھے۔ اُن کی ہمت کی روح فنا ہوگئی تھی اور انہوں نے حکام فوج سے چار آئینے اور خود پہننے کی اجازت حاصل کرلی تھی۔ اپنے آباؤ اجداد کے وزنی آلات مثلاً ہیبت ناک بھالے کے جس کے ذریعہ سے اہل روما نے دنیا کو مطیع و منقاد بنالیا تھا اُن کے کمزور ہاتھوں سے اس طرح گر پڑے گویا انہیں خبر ہی نہ تھی۔" (جلد ۳ صفحہ ۱۷۲)

اس قسم کے واقعات افواجِ انگریزی میں بھی برابر ظہور پذیر ہوتے رہے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں وہ رائفل جس کے ذریعہ سے وہ جنوبی افریقہ میں شکست فاش کھانے سے بچے تھے۔ اُن کے نازک کندھوں کے لئے بہت بھاری قرار دی گئی۔ اور اُس کے بجائے ایک ہلکا سا ہتھیار اُن کو دیا گیا۔ ہمارے جاپانی سپاہیوں کے برخلاف انگریزی پیدل فوج کے سپاہیوں کو اپنا تھیلا اور بعض اوقات اپنا اوور کوٹ اٹھانا بھی دوبھر تھا۔ ایسے سپاہیوں کی تعداد جو امن و سکون کی حالت میں کوچ کرتے ہوئے رستے

میں گر پڑتے تھے۔ یا جو افسروں کی نظر عنایت سے زائد ثقل کے بوجھ سے سبکدوش کردئے جاتے تھے۔ حیرت انگیز بھی۔ ایک شخص عینی شہادت کی بنا پر بیان کرتا ہے کہ ایلڈر شاٹ میں جب فوج کا جائزہ لیا جا رہا تھا۔ تو گارڈز بریگیڈ کے ایک درجن سپاہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حالانکہ اُن کے ذمہ اُس وقت صرف یہی کام تھا۔ کہ وہ کچھ عرصہ کے لئے کھڑے رہیں تقریبًا اسی زمانہ میں قد اور سینہ کا ناپ جو رنگروٹ بھرتی کرنے کے لئے بطور معیار مقرر تھا کم کر دیا گیا تھا۔ اور باوجود اس کمی معیار کے ہزاروں آدمی اس بنا پر لوٹا دئے جاتے تھے۔ کہ وہ سپاہیانہ زندگی کی تگ و دو برداشت کرنے کے ناقابل تھے۔ وجہ یہ تھی کہ لوگوں میں سگرٹ کا استعمال بہت بڑھ گیا تھا۔ اور طرز معاشرت اصول تندرستی کے منافی تھا۔ سنہ ۱۹۰۴ء میں ایک رپورٹ اس قوم کے طبعی تنزل کے متعلق شائع کی گئی۔ اس یاس انگیز تالیف میں حسب ذیل مضامین پر بحث کی گئی تھی :- (۱) بہت سے لوگوں کا شہروں اور تنگ مکانوں میں رہنا۔ (۲) طریق بود و باش کا اصول حفظان صحت کے خلاف ہونا۔ (۳) کارخانوں کا مضر اصول پر چلایا جانا۔ (۴) مزدوروں اور بالخصوص عورتوں کو زائد از حد اعتدال پسینہ آنا۔ (۵) شیرخوار بچوں کا تلف ہو جانا (۶) ناخالص دودھ (۷) شراب اور تمباکو کا کثرت استعمال۔ (۸) عمدہ غذا کا بہم نہ پہنچنا۔ (۹) جنوں کی روز افزوں ترقی۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ گذشتہ صدی کے آغاز میں انگریزی قوم اپنی علمی خصوصیات کھو بیٹھی تھی۔ یہ حالت لنڈن اور دوسرے بڑے بڑے قصبوں میں خاص طور پر نمایاں تھی۔ اہل روما کی مانند جو شمشیرزن پہلوانوں کے دنگل دیکھنے کے لئے جمع ہوا کرتے تھے۔ یہ لوگ بھی جوق در جوق تنخواہ دار پہلوانوں کے ورزشی کرتب دیکھنے کیلئے جمع ہوتے تھے۔ جہاں وہ اکثر حالتوں میں قمار بازی بھی کرتے

تھے۔ کرکٹ اور فٹ بال قومی کھیل نہیں رہے تھے۔ بلکہ انگریزوں کی طرف سے جو کرکٹ باز آسٹریلیا کے خلاف کرکٹ کھیلنے جایا کرتے تھے۔ وہ پیشہ ور کھلاڑی ہوتے تھے۔ گیند پھینکنے کا کام جو کسی زمانہ میں تفریحی کرکٹ کا ایک نہایت ضروری جزو ہوتا تھا۔ باستثناء چند حالتوں کے ایسے ہی پیشہ وروں کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ اس پر طرہ یہ تھا کہ جوں جوں اُن میں خود کھیلوں میں شریک ہونے کی قابلیت کم ہوتی جاتی تھی۔ اُن میں اپنے آپ کو "پہلوانوں کی قوم" کہلانے کا شوق ترقی کرتا جاتا تھا۔[۱]

لیکن صورت حال اس کے بالکل برعکس تھی۔ اُن کی تماشہ گاہیں (تھیئٹر) مسٹر[۵] ہیزی کے قول کے مطابق جس کو حقیقت حال سے کسیقدر آگاہی حاصل ہو چکی تھی شفاخانوں کی صورت میں تبدیل ہو گئی تھیں۔ اُن کے اخبار اور رسالے نامردوں کے لئے پیٹنٹ ادویہ اور دیگر معالجات کے اشتہاروں کی وجہ سے نہایت بدنما بن گئے تھے۔ لیکن جبکہ ہزارہا لوگ اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ اُن کی جسمانی حالت ایسی نہیں تھی جو ایک تندرست اور صحیح الفطرت انسان کی ہونی چاہئے۔ تاہم اُن میں کوئی ایسا نکتہ رس شخص موجود نہیں تھا۔ جو اتنا محسوس کر لیتا۔ کہ یہ تشویش آمیز مصائب کا مجموعہ اُنہیں کس طرف کھینچے لئے جا رہا تھا۔ اصول ارتقا ہر جگہ اپنا کام کر رہا تھا۔ لیکن کسی انگریزی فلاسفر میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اپنا دارالمطالعہ چھوڑ کر سر بازار اپنے ہموطنوں کو یہ پیغام حق سناتا۔ کہ خدائے قدیر و برتر کا ناقابل تغییر اصول بقائے اصلح جس طرح انسان یا حیوان کی محدود زندگیوں پر پورا قبضہ رکھتا ہے۔ اسی طرح وہ قومی حیات کو بھی اپنے اثرات سے متاثر کرتا رہتا ہے۔ اس عدم احساس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اہل انگلستان اُن ناگفتہ بہ صورت حالات کے استیصال کے لئے اجتماعی قوت سے کام لینے سے قاصر رہے۔ جو انجام کار سلطنت برطانیہ کو اُن قوموں کی صف میں لا کھڑا کرنے والی تھی جن کو بوجہ اپنے تساہل و غفلت کے دنیا کے زمانہ مستقبل پر حکمرانی کرنے کا کوئی اختیار نہیں رہا۔

باب ششم

عقلی و ذہنی و مذہبی زندگی کا تنزل

جن لوگوں نے مندرجہ بالا سطور کو پڑھا ہے۔ وہ اس بات کو سُن کر ذرا بھی متعجب نہیں ہوں گے۔ کہ بیسویں صدی کے انگریز مذہبی اور ذہنی ذوق و شوق اور جوش صادق سے مبرّا تھے۔ یہ سچ ہے کہ دینداری اور مجلسی سرگرمی تمام اشیاء کی سطح پر پرتو فگن تھی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ مذہب کی ظاہری رسوم اور جھوٹی ہمدردی سے کمزور و ناتوان دلوں کو ہمیشہ اطمینان ہوتا ہے۔ لیکن جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جاتا تھا۔ لوگوں میں سے وہ عملی و روحانی جرأت اور دلیری رخصت ہوتی جاتی تھی۔ جو ازمنہ گذشتہ میں کرامویل[1] کے ممتنع المقاومت جری سپاہیوں سے کام لینے کا باعث ہوئی تھی۔ یا جس نے ولبرفورس[2] اور اس کے رفقا میں لوگوں کو قید غلامی سے آزاد کرنیکا

---

[1] آلور کرامویل برطانیہ عظمےٰ کا لارڈ پروٹیکٹر ۱۵۹۹ء میں پیدا ہوا۔ سڈنی کالج کیمبرج میں تعلیم پائی اور پارلیمنٹ میں داخل ہوا۔ اسوقت رعایا چارلس اول کے استبدادی کارناموں کی وجہ سے چیخ رہی تھی کرامویل نے ایک زبردست و طاقتور دستہ فوج سے شاہی افواج کا مقابلہ کر کے اُسے ہزیمت دی۔ بادشاہ کے قتل ہونے پر پارلیمنٹ تاج حکومت کرامویل کے سر پر رکھنا چاہتی تھی۔ مگر اس نے منظور نہیں کیا۔ غارین حکمت عملی کیلئے خاص طور پر مشہور تھا۔ ۱۶۵۸ء میں اسکا انتقال ہو گیا۔ (مترجم)

[2] ولیم ولبرفورس مشہور مخیر ۱۷۵۹ء میں پیدا ہوا۔ ۱۷۸۰ء میں پارلیمنٹ کا ممبر ہوا۔ ۱۷۸۹ء میں اُسنے پارلیمنٹ میں ایک مسودۂ قانون بدیں مطلب پیش کیا کہ آئندہ برٹش نو آبادیوں میں افریقہ کے حبشی غلاموں کی خرید و فروخت نہونے پائے مسودہ کی بے انتہا مخالفت کیگئی۔ لیکن آخرکار وہ ۱۸۰۷ء میں پاس کیا گیا۔ اسکے بعد اُسنے نہایت استقلال و سرگرمی کے ساتھ غلاموں کی تجارت کے خلاف آواز بلند کی۔ اور اُس کے مرنے کے تین دن پہلے دیوان عام نے تجارت غلامان کے بالکل مسدود کئے جانے کی قرارداد پاس کی۔ اُس کا انتقال ۱۸۳۳ء میں ہوا۔ (مترجم)

جوش پیدا کر دیا تھا۔ اور اگرچہ ہزارہا افراد "اصلاح" "اصلاح" کا شور وغل برپا کرتے رہتے تھے۔ مگر معاملات کی تہ تک پہنچنے اور اصول اولین پر عملدرآمد کرنے کی کسی کو تمیز اور سمجھ نہ تھی۔ کیونکہ ایسا کرنا صرف انہی لوگوں کا کام ہے۔ جن کے جسم مضبوط ہوں۔ اور جنکو خدا پر اور نیز اپنی ذات پر کامل بھروسہ ہو۔

وہ سنجیدہ و بلند مذہبی عقیدہ اور وہ خود اعتباری کیا ہوئی جس نے ازمنہ وسطی کے انگریزوں سے ایک گرجا تعمیر کرنے میں تین چار سو سال کی مدت صرف کرائی تھی۔ وہ گم شدہ اسباب کے لئے خواہش تجسس و جستجو کیا ہوئی۔ جو کسی زمانہ میں اہل انگلستان کی خاص خصوصیت تھی۔ یہ سب کچھ رخصت ہو گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ اخلاقی قوت اور سچائی کی روشنی بھی مفقود ہو گئی تھی جس کے ذریعہ سے انسان اپنے ہمجنسوں کے دلوں پر حکمرانی کرتا۔ اور انہیں حقیقی فتح و ظفر کی طرف بڑھائے لئے جاتا ہے۔

اس الم انگیز زمانہ کی ایک نمایاں خصوصیت تھی۔ کہ لنڈن کی مذہبی زندگی کی نسبت ناقدانہ کتابیں شائع کی جاتی تھیں۔ اور انہیں خوبصورت و نفیس سفید جلدوں سے مزین کر کے دارالملاقات کی الماریوں کو اُن سے آراستہ کیا جاتا تھا۔ لیکن ماہی گیر اور خیمہ دوز اُن سے خاک بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ بحالیکہ اس زمانہ کے عیسائیوں کے آبا و اجداد یہی پیشہ کرتے تھے۔

مذہب اور اشتراکیت روما کی مانند یہاں بھی ایک قسم کا تفریحی کھیل بن گئی تھی۔ ہزارہا دولتمند جو اپنے ملازمان کا خانہ کے کام کا وقت گھٹانے یا بے چارہ و بے کس لوگوں کو کام پر لگانے کا خیال تک نہیں دل میں لا سکتے تھے۔ بڑی فصاحت و بلاغت اور چرب زبانی کے ساتھ تمدنی۔ معاشرتی اور اشتراکی مسائل پر گفتگو کرتے اور بے غرضی و ایثار نفس کی خوبیوں کے متعلق بے تعداد خوشنما کتابیں پڑھتے تھے لیکن اُن میں سے بہت کم دوراندیشی اور متانت کے ساتھ اپنے زمانہ کے مہمات مسائل

سلجھانے کی کوشش کرتے تھے۔

اِس مدعا کے لئے سرِ کلیف، ذہنی و عقلی کوششیں اور فہم و فراست کا عملی جوش درکار تھا۔ جس کا ظہور کلیسیا اور گرجا میں شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتا تھا بے انتہا قومی مسائل کو مؤثر پیرایہ میں سرانجام کرنے کے لئے اُس جوشِ صادق کی ضرورت تھی جو کرامویل کا مایۂ امتیاز تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس قوم میں کوئی کرامویل اس کام کے لئے پیدا نہ ہُوا۔

گبن نے اپنی تاریخ میں روما کے مختلف عجیب و غریب مذاہب کا ذکر کیا ہے۔ بیسویں صدی کی انگریزی زندگی کے حالات و واقعات کے بغور مطالعہ سے یہ امر مجھ پر روزِ روشن کی مانند ظاہر ہو گیا ہے۔ کہ اس قسم کے عجوبہ روزگار مذاہب انگلستان میں بھی رائج ہو گئے تھے۔ لنڈن کے فیشنیبل مجلسی و معاشرتی حلقوں میں علمِ فراست الید (Palmistry) اور علمِ شفا بذریعہ دعا (Christian Science) کا عام چرچا تھا۔ فلسفۂ اختبار (Positivism) اور فلسفۂ عزیمت (Determinism) ہزارہا دلدادگانِ اشتراکیت اور ملازمینِ کارخانجات کی کمزوری و ضعف کا باعث تھا۔ اور فنونِ لطیفہ کے جھوٹے پرستار جنہیں علم دوست ہونے کا بھی ادعا تھا۔ عمر خیام[1] کے غم افروز فلسفہ پر جس کا لبِ لباب ان چند لفظوں میں ادا کیا جا سکتا ہے کہ "آؤ، جو وقت ہم نے مسجد میں ضائع کیا ہے اُس کی تلافی خرابات میں کر لیں"۔ جان دیتے تھے۔

دوسرے فرقوں کے پیشوا اپنے اپنے کام میں محنت و کوشش سے کام کرتے تھے۔ لیکن اُن میں سے کوئی بھی اصولِ اوّلین کے مطابق کام نہیں کر سکتا

---

[1] یہ مشہور فارسی شاعر۔ ریاضی دان اور فلاسفر گمان غالب گیارہویں صدی عیسوی میں پیدا ہُوا۔ اُس کی شہرۂ آفاق "رباعیات" مشرق و مغرب کی علمی دنیا کا سرمایۂ ناز ہیں۔ اور یورپ کی کئی زبانوں میں اُن کا ترجمہ ہُوا ہے۔ (مترجم)

منکرین کلیسیا کی جماعت سے بسااوقات معاشری وسیاسی نظام مراد لیا جاتا تھا جس کو عوام میں شرف قبول حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اور کلیسیائے انگلستان کو اگر کوئی کامیابی ہوتی تھی۔ تو وہ صرف اس بات میں مضمر تھی۔ کہ وہ دولت مندوں سے چند پیسے گداگروں کو دلا سکتا تھا۔ حالانکہ اُس کا فرض یہ ہونا چاہئیے تھا۔ کہ وہ ایک نہایت غیر منصفانہ طرز معاشرت کو جس میں لوگ مبتلا تھے۔ جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کرتا۔ مشترکہ سرمایہ کی کمپنیوں اور کارخانوں کے ناظر (ڈائرکٹر) اور حصہ دار اپنے ملازموں کے بارہ میں قانون کی چند معمولی شرائط پوری کر دینے ہی کو کافی سمجھتے تھے۔ لیکن اُن کو اُن کی حقیقی خیر خواہی اور صحت وتندرستی کی ذرا بھی پروا نہیں تھی۔[۱]

ہر سال کے خاتمہ پر اُن کے درمیان یہ آواز زور شور سے بلند ہوتی تھی۔ کہ "اپنی سرمایہ کا جسقدر بھی منافع مل سکے۔ اُسے حاصل کرنا چاہئیے"۔ جب یہ مقصد بدرجہ اولے حاصل ہو جاتا تھا۔ تو وہ چند ایسے لوگوں کو جو کارخانوں کی کڑی شرائط پر کام کرنے پر رضامند نہیں ہو سکتے تھے۔ چند پیسے دے کر اپنا نام مخیر وفیاض لوگوں کی فہرست میں لکھوا لیتے تھے۔ لیکن کئی سونکتہ فہم دور اندیش مدبروں اور الہیات کے ماہروں کی شریفانہ کوششوں کے باوجود کلیسیا کی ذہنی وروحانی طاقت روز بروز بیکار ہوتی جاتی تھی۔ ملٹن[۲] نے جو کچھ چند صدی قبل کہا تھا۔ وہ انجام کار ظہور میں آ رہا تھا۔

---

[۱] اس قاعدہ کی چند قابل لحاظ مستثنیات کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن میں حصہ داروں اور ڈائرکٹروں کے متعلق عام طور پر گفتگو کر رہا ہوں (مصنف)

[۲] نامور انگریزی شاعر جان ملٹن ۱۶۰۸ء میں پیدا ہوا۔ کیمبرج میں اپنے زمانہ طالب علمی میں لاطینی شاعری اور انگریزی انشا پردازی میں مہارت حاصل کرتا رہا۔ اور دو تین کتابیں لکھکر ۶ سال تک ادبیات قدیم۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ اور موسیقی کا مطالعہ کرتا رہا۔ اپنی بیوی کی علیحدگی کے ایام میں اُسنے

ملٹن لکھتا ہے :-

"پادری کا جبہ یا اسقف کی ٹوپی اتار لینے اور اسے تسیسی ذمہ واریوں سے آزاد کر دینے سے ہماری قوم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ بلکہ اگر کلیسیا اور قانون زندگی کے ایسے ہی دوسرے اہم امور کی خواہ وہ اقتصادی ہوں یا سیاسی۔ کامل غور و پرداخت اور اُن میں اصلاح نہ کی جائے تو گویا ہم اس شعلہ جوالہ کی طرف جس کے خطرہ سے ہمیں زنگلیس (Zwinglius) اور کالون (Calvin) نے آگاہ کر دیا تھا۔ اسقدر مُدت تک دیکھتے رہے ہیں۔ کہ اپنی بینائی بالکل کھو بیٹھے ہیں۔[1]

اس میں کلام نہیں۔ کہ تمام کلیسیا اور عام فرقوں کے رہنما چشم بصیرت ضرور کھو بیٹھے تھے۔ اور اُن کا یہ نقص سب سے زیادہ اس بات میں نمایاں تھا۔ کہ وہ سچے عیسائیوں کی مانند اُن عیوب کا باہم ملکر استیصال کرنا نہیں چاہتے تھے۔ جو اُن کے مُلک کو نہایت سرعت کے ساتھ ابدی ذلت و رسوائی اور ندامت کی طرف لئے جا رہے تھے۔ مختلف فرقوں میں غلط فہمیوں اور شکوک و شبہات کا طوفان برپا تھا۔ اور سر بفلک محلوں اور تنگ و تار جھونپڑوں۔ گندے کوچوں اور میلے کچیلے بازاروں میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) متعدد رسائل "طلاق" پر لکھکر قانون ملک کے خلاف بلا لائسنس شائع کئے اور اس کی پاداش میں گرفتار ہونے پر اُس نے ایک اور معرکۃ الآرا تصنیف کے ذریعہ سے اپنا ڈیفنس پیش کیا۔ وہ بہت سی تالیفات شائع کرنے کے بعد ۱۶۵۲ء میں نور بصارت سے محروم ہوگیا۔ اور ۱۶۷۴ء میں مرگیا۔ (مترجم)

[1] ملاحظہ ہو۔ ملٹن کی کتاب اری اوپیگی ٹیکا (Areopagitica) اگر میں غلطی پر نہیں ہوں۔ تو ملٹن کا مطلب اس سے یہ تھا۔ کہ مذہب قیاسی الہیات لکھنے والوں کے مسئلہ تعمیرات یا کریہ اکی اصلاح فوج تک تمام انسانی تحریکات پر حاوی ہے (مصنف)

لاکھوں کروڑوں غمزدہ راست رو لوگ خضوع وخشوع کے ساتھ یہ دعائیں مانگتے رہتے تھے۔ کہ وہ ان کے درمیان کوئی ایسا ماجدل پیدا کرے۔ جو انہیں جینے کا ڈھنگ بتائے۔ بے شبہ کلیساؤں کو سب سے زیادہ ضرورت عقلی و مذہبی بیداری کی تھی۔ جس کے ذریعہ سے فرقہ بندیوں کے امتیازات واختلافات مٹ جاتے۔ اور اُن کی بنیاد زیادہ فراخ اور مستحکم قومی (مسیحی) حب الوطنی پر رکھی جاتی۔ لیکن یہ بیداری کبھی ظہور میں نہیں آئی۔ کلیسیا بدستور مست خواب ہے۔ اور اُن کی مدہوشی میں قوم بالکل محو ہو گئی

باب ہفتم

ٹیکسوں کی کثرت اور میونسپل کمیٹیوں کا اسراف

جن اسباب کی بدولت سلطنت روما تباہ ہوئی تھی۔ اُن میں سے یہ سبب کچھ کم اہم نہیں تھا۔ کہ روما کی جماعت سول سروس[1] ہر طرح مکمل و ممتاز تھی۔ جمہور کی محنت ومشقت اور جانفشانی کے نتائج کو پامال کرنے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتی تھی اس سول سروس کے نظم ونسق کا جدوجہد اور کشمکش کے پُرآشوب زمانہ میں پراگندہ ہو جانا نہایت یاس انگیز ابتری کا باعث ہوا۔ جیسا کہ ہم سب کو معلوم ہے یہی حالت انگلستان کی تھی۔ اس کے باشندے ہر کام اور ہر بات میں گورنمنٹ کے دست نگر تھے۔ وہی اُن کے بچوں کو تعلیم دیتی۔ کھانا کھلاتی۔ سزا دیتی۔ اور بعض حالتوں میں پہننے کے لئے کپڑے دیتی۔ وہی اُن کے گھروں میں روشنی مہیا کرتی۔ اُن کے پڑھنے کے لئے ہلکی قسم کی ادبیات بہم پہنچاتی۔ ٹریم کاروں کے ذریعہ سے اُن کی آمد و رفت کا بندوبست کرتی۔ اُن کے رہنے کے واسطے سستے مکان مہیا کرتی

[1] حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو۔

اور ہزارہا اسی قسم کی خدمات انجام دیتی تھی جن کی نسبت ٹوکیو کا ایک معمولی سے معمولی کاروباری لڑکا بھی سمجھ سکتا ہے۔ کہ وہ علم الاقتصاد کے ابتدائی اصول کے بھی بالکل منافی ہیں۔

چنانچہ سنہ ۱۹ء میں سلطنت برطانیہ نے مقامی منتظم جماعتوں (لوکل بورڈ) کو لاکھوں پونڈ معمولی میونسپل کاموں پر صرف کرنے کا اختیار تفویض کر رکھا تھا۔ اس خطیر رقم کا بہت بڑا حصہ میونسپلٹی کے کاروبار تجارت پر صرف کیا جاتا تھا۔ اور جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا تھا۔ اس رقم میں معتدبہ اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ بہت سے امور جن کو اس سلسلہ میں انجام دینے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اُن میں اکثر صریح خسارہ برداشت کرنا پڑتا تھا۔ صرف چند معاملات ایسے تھے۔ جن کو کاروباری نقطۂ نظر سے عمدہ و مفید کام کہا جاسکتا تھا۔ ہر سال قرضہ کی بڑی بڑی رقمیں ترقی پذیر اخراجات کے پورا کرنے کے لئے دی جاتی تھیں۔ اور اخراجات کی زیادتی کے ساتھ ساتھ ان رقوم کے سود میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ حتےٰ کہ بڑے بڑے قصبوں اور شہروں میں بود و باش رکھنا۔ کروڑ پتی دولتمندوں اور مفلس و قلاش گداگروں کے سوا عام باشندوں کے لئے وبالِ جان ہوگیا تھا۔ یہ صورتِ حالات اور بھی حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ انگریزی قوم کو اپنی تجارتی و کاروباری خصوصیتوں اور قابلیتوں پر بڑا ناز تھا۔ یہ امر نہایت عجب معلوم ہوگا۔ لیکن اس کے صحیح ہونے میں مطلق شبہ نہیں ہے۔ کہ میونسپل تجارت کے چلانے کے لئے ذمہ دار لوگوں کے انتخاب میں وہ کوئی خاص تجارتی دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا۔ کہ غوغائی اور فرقہ آرائیوں میں ممتاز لوگ

لہ خزانہ سرکار سے بیش قرار رقمیں پبلک لائبریریوں کے قیام پر صرف کی جاتی تھیں۔ لیکن سنجیدہ و مستقل کتابوں پر روپیہ صرف کرنا محض روپے کا برباد کرنا تھا۔ کیونکہ اُن کو استعمال کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ (مصنف)

میونسپل معاملات کے رہنما بن جاتے تھے۔ چونکہ یہ قانونی یا سیاسی صلاح کار اس بات سے بخوبی آگاہ ہوتے تھے۔ کہ وہ دوسرے لوگوں کے روپیہ سے تجارت کر رہے ہیں۔ اس لئے وہ اُن عام قوانین کی طرف ذرا بھی متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ جو تجارتی کامیابی کا سنگ بنیاد ہیں۔ جھوٹی خلائق دوستی خیر خواہی کے جوش میں مدہوش اور عوام میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کی آرزو میں مست اُن کی سب سے بڑی کامیابی یہی تھی۔ کہ انہوں نے عوام الناس کو گداگر بنا دیا۔ اور مقامی و قومی سرمایہ کو افلاس و ناداری میں تبدیل کر دیا۔

مسٹر گلیڈسٹون[1] پر کئی قسم کے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ مگر اس سے کسی شخص کو انکار نہیں ہوگا۔ کہ مالی معاملات میں وہ اعلےٰ درجہ کی مہارت رکھتے تھے۔ اُن کا مقولہ تھا۔ کہ:۔

"گورنمنٹ کا کام حکومت کرنا ہے۔ نہ کہ تجارت کرنا"

اگر انگلستان اس فقرے کی صداقت و اہمیت کو محسوس کر لیتا۔ تو اس کے حق میں یہ امر بہت بہتر ہوتا۔ انگلستان میں حکومت سے محض باتیں بنانا مراد لیا جاتا تھا۔ اور سلطنت کا مفہوم صرف یہ سمجھا جاتا تھا۔ کہ ملکی فوائد اور حقوق کو اپنے فریق کی

---

[1] رائٹ آنریبل ڈبلیو۔ ای گلیڈسٹون ۱۸۰۹ء میں پیدا ہو کر ۱۸۹۸ء میں مرا۔ ایٹن اور آکسفورڈ میں تعلیم پائی۔ اُس نے اپنی پہلی تقریر مسئلہ غلامی کے متعلق پارلیمنٹ میں ۱۷ مئی ۱۸۳۳ء کو اور آخری تقریر یکم مارچ ۱۸۹۴ء کو کی۔ ۱۸۶۹ء میں عہدہ وزارت پر متمکن ہوا۔ آئرش چرچ کو توڑا۔ اور ابتدائی تعلیم اور تصویت (بیلٹ کے ذریعہ سے رائے دینا) کے قوانین کے پاس کرانے میں مدد دی۔ ۱۸۷۶ء میں مظالم بلغاریہ کے متعلق نمایاں کوشش کی۔ ۱۸۸۰ء میں دوبارہ ۱۸۸۶ء میں تیسری مرتبہ وزیر اعظم ہوا لیکن آخری مرتبہ ضعف بصارت کی وجہ سے مستعفی ہوا۔ اور ۱۸۹۸ء میں مرا۔ چند قابل قدر کتابیں بھی تصنیف کیں۔ (مترجم)

نازبرداریوں پر قربان کردیا جائے ۔ اور دوسرے لوگوں کے زر کا طعمہ کانٹے میں لگاکر حصول صوت ([illegible]) کے لئے شکار کھیلا جائے ۔ لیکن کاروبار اس طریقے سے نہیں چل سکتے ۔ جنگ کی مانند یہ بھی ایک نہایت مہیب کام ہے اور صرف ایسے ہی لوگوں کو اس میں ہاتھ ڈالنا چاہئے ۔ جو تجارت کے جدید پیچیدہ آئین و قوانین کو اچھی طرح سمجھتے اور اُن کی خلاف ورزی کرنے سے جو نقصانات پیدا ہوتے ہیں انہیں اپنے ذاتی سرمایہ سے پورا کرنے کے لئے آمادہ ہوں ۔ یہ صحیح ہے ۔ کہ چند امور کا تھوڑے سے نقصان پر یا تھوڑے سے نفع پر چلانا بُرا نہیں ۔ لیکن ایسے کاموں کا وسیع پیمانے پر چلانا گویا دانستہ مالی تباہی کے عمیق سمندر میں غرق ہونا ہے ؂

باب ہشتم

برطانیہ کا ناقص تعلیمی نظام

حقیقی نظام تعلیم کے دو مقاصد ہیں ۔

۱ ۔ سرگرم ۔ مستعد ۔ دلسوز سنجیدہ آدمی یا عمدہ شہری پیدا کرنا ۔

۲ ۔ لڑکے کو ایسا علم عطا کرنا ۔ جو اس کو معاش پیدا کرنے میں مدد دے ۔ یا اگر اس طرف سے فراغت ہو ۔ تو ایسا علم تفویض کرنا ۔ جو اسے سیاسیات ۔ فنون ۔ اور تجارت کا بے ریا و بے نفس لیڈر بنا دے ۔

تعلیم کے یہ دونوں پہلو باہم لازم و ملزوم ہیں اور بسا اوقات ناممکن ہو جاتا ہے ۔ کہ ایک شخص کوئی خاص پیشہ اختیار کرنے کے ناقابل ہونے کے باوجود قابل اعتبار و لائق اعتماد شہری بن سکے ۔

بیسویں صدی کے انگریز پہلے مقصد کی نسبت تو نہایت جوش وخروش سے جھگڑتے اور بحث مباحثہ کرتے تھے۔ مذہبی تعلیم کے بارہ میں ہر فرقے کے خیالات جداگانہ تھے۔ اور ہر شخص کا دل اس خیال سے لبریز تھا۔ کہ اس کے ہمسایہ کے بچے کو جو فلاں قومی۔ سرکاری یا پرائیویٹ مدرسہ میں تعلیم پاتا ہے کس قسم کی تعلیم کی ضرورت ہے۔ لیکن کسی کو اس بات کا خیال نہیں آتا تھا۔ کہ دنیائے دنی میں زندگی بسر کرنے کے لئے بعض ایسے مقدس و اہم اصول بھی ہیں۔ جو بچہ آغوش مادر ہی میں سیکھ سکتا یا والدین کے طرز معاشرت ہی سے۔ اخذ کر سکتا ہے کوئی نوجوان مرد۔ عورتوں کے لئے فطرتی احترام کا اظہار نہیں کر سکتا۔ جبتک کہ وہ پہلے اپنی مادر مہربان کی عزت و توقیر کرنا نہ سیکھے۔ کوئی لڑکی اچھی بیوی نہیں بن سکتی۔ جبتک کہ وہ اپنے باپ اور بھائیوں کا ادب اور اُن پر بھروسہ کرنا نہ سیکھے کسی شاہی نسل کی تعلیم وتربیت کے لئے بہترین جگہ مدرسہ کا کمرہ نہیں ہے۔ بلکہ گھر ہے۔ استاد یا اتالیق اُس خام مصالحہ سے کام لے سکتا ہے۔ جو اُس کے سپرد کیا گیا ہے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ بچے اپنے اتالیق کے ساتھ وہی آزادانہ اعتماد برتیں۔ جو وہ فطرتاً اپنے والدین سے برتتے ہیں۔ یہ ایک ایسی قدرتی اور بدیہی بات ہے۔ کہ اس پر زیادہ زور دینا فضول ہے۔ مَیں نے اسقدر ذکر بھی محض اسلئے ضروری جانا ہے۔ کہ ہمارے ہاں کے جوان والدین کا رجحان طبیعت انگریزوں کی تقلید میں زیادہ تر اس جانب پایا جاتا ہے۔ کہ وہ بچوں کو پاؤں چلنا سیکھنے سے پہلے ہی سکول میں داخل کرا دیتے ہیں۔ ایسے مکتب اور مدرسے کیسے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔ وہ گھر کی برابری کسی صورت میں بھی نہیں کر سکتے۔ اور جو والدین اپنے بچوں میں خوف خدا اور اُن میں عہدنامہ جدید کی صاف وسادہ داستان کیلئے (یہودی بادشاہوں اور تواریخ حوائیین کے لیے نہیں) پُر تکریم محبت کا جذبہ

پیدا کرنے کے فرض سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں۔ وہ گویا عمر بھر کے لئے اپنی خوشحالی وکامرانی کو خطرہ میں ڈال دیتے ہیں۔ مختلف فریق آپس میں دست وگریبان ہوتے رہیں۔ اور عالمانِ دین لڑتے جھگڑتے رہیں۔ لیکن میلانِ طبیعت اور فرض شناسی کی باہمی دائمی کشمکش ختم ہونے والی نہیں ہے۔ اور کلیساؤں کے تغیر پذیر ہدایات وارشادات کی بہ نسبت یسوع مسیح کی زندگی ہماری زیادہ متیقّن ومفید رہنما ہے[1]۔

اب ہم تعلیم کی زیادہ عملی صورت کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ جس سے بحالات موجودہ اکثر اوقات اساتذہ کو سابقہ پڑتا ہے۔ اس بارہ میں بھی اہل انگلستان قصوروار ہیں۔ یہ امر کسی قدر مضحکہ خیز ہے۔ کہ وہ تعلیم پر خطیر رقمیں صرف کرتے تھے۔ لیکن صرف شدہ سرمایہ کی قدر وقیمت کے برابر اُن کو نتائج نہیں حاصل ہوتے تھے۔ ہم سب سے پہلے قومی مدارس (نیشنل سکول) کا ذکر کریں گے۔ جو عوام الناس کی تعلیم وتربیت کے لئے جاری تھے ان مدارس کے طلبہ کی زیادہ تر تعداد ایسی تھی جن کی قسمت میں زمانہ تعلیم ختم کرنے کے بعد کاشتکاری یا صنعت وحرفت ودستکاری لکھی تھی۔ لیکن طرفہ یہ ہے۔ کہ نصاب تعلیم بجز چند مستثنیات کے محض علمی وادبی تھا۔ اُس میں زراعت۔ انجنیری۔ نجاری۔ اور کوئی دوسری صناعت شامل نہ تھی۔ آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ نوجوان جنہوں نے کبھی ہل نہیں چلایا تھا۔ بلکہ جن کو اپنے بائسکل کی مرمت کرنا بھی نہیں سکھلائی گئی تھی۔ برطانیہ کے آئندہ کاشتکاروں اور دستکاروں کے ممتحن اور اُن کی تعلیم کے مہتمم اور حاکم مقرر کئے جاتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ چند کاشت پیشہ لوگ جو انگلستان میں موجود تھے۔ اپنے کام سے حقیقی دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ اور لاکھوں آدمی جو موزون ومناسب تعلیم پانے کی صورت میں اعلےٰ درجہ کے ماہر دستکار ثابت ہوتے۔ اخبار فروشی اور اسی قسم کے معمولی کام کاج کو اپنی زندگی

---

[1] کتاب کا مصنف عیسائی ہے (مترجم)

کا منشاء و مقصد سمجھتے تھے۔

بہت کم لوگ ایسے ہونگے جن کا شوق کتب بینی راقم الحروف سے بڑھا ہوُا ہو۔ اور وہ اس امر کو کسی حالت میں بھی گوارا نہیں کریگا۔ کہ کسی شخص کو جو ادبی و علمی تعلیم کا مشتاق ہو۔ ایسی تعلیم نہ دی جائے۔ اور جوانانِ قوم کی رہبری اور تربیت کے لئے صرف کتابوں ہی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہزارہا لوگوں کے لئے علوم زراعت کی محبت اور تعلیم انجمن کے راگ کا سمجھنا زیادہ موثر۔ مفید اور ضروری ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ اُن کو گذرے ہوئے تاجداروں کی کہانیوں اور سعدوم شدہ پرستانوں کی داستانوں سے مسرور کیا جائے۔ ایک کسان کے لڑکے کو اُس کی مرضی کے خلاف تواریخ کے بیشمار واقعات ازبر کرانا اور مٹی اور زمین کی ماہیت سے جس میں اُسے آئندہ چل کر ہل چلانا ہے۔ بے خبر رکھنا بیکار اور فضول نہیں تو اور کیا ہے؟ اُسے نوشت و خواند سکھاؤ۔ اس میں کچھ ہرج نہیں۔ اور اگر وہ عمدہ ادبیات کا مذاق رکھتا ہے۔ تو اُسے اُس کے حاصل کرنے کی جرأت و ہمت دلاؤ۔ لیکن اگر تم چاہتے ہو۔ کہ وہ وطن کا ہونہار اور ذہین و فہیم فرزند ثابت ہو۔ تو خدا کیلئے اُسے اُن قوانین و اصول سے جاہل نہ رکھو۔ جن کے ذریعے سے انسان قدرت کی خلاف اپنی عظیم الشان کشمکش میں بازی لے جانے کے قابل ہو جاتا ہے۔

ایسے قوانین سے قوم کو کورا رکھنا گویا اُس کو پُر آشوب مصائب میں مبتلا کرنا ہے۔ ایسی ناقص و بیفائدہ تعلیم کا یہ نتیجہ ہوگا۔ کہ بچے جسمانی محنت اور صنعت و حرفت سے نفرت کرنے لگیں گے۔ اور اُن کے دلوں میں یہ خیال پختہ طور پر جاگزین ہو جائیگا کہ ڈوکیوں کے کسی دفتر میں سٹول پر بیٹھ جانا اور کھانا کھاتے وقت اخبار کا پڑھنا زیادہ شریفانہ فعل ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ آدمی ایک ذہین کسان یا صناع بنے۔

انگلستان کی بعینہ یہی حالت تھی۔ عوام کی اولادیں جسمانی محنت سے جی چراتی تھیں۔ اور شرافت کا اقتضا یہ سمجھا جاتا تھا کہ کسی کام کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ کثیر التعداد نوجوان بحری و بری اور صنعتی مشاغل کو خیرباد کہہ کر عامیانہ کاروبار میں مصروف ہو گئے جس سے عالمگیر تجارتی مقابلہ کا بازار گرم ہو گیا۔ بددیانتی پھیل گئی۔ اور عام طور پر تجارت کا زوال شروع ہو گیا۔[1]

جبکہ انگلستان کے قومی مدارس میں لڑکوں کی تعلیم ناقابل عمل اور قدرت کے ابتدائی اصول کے خلاف تھی۔ تو لڑکیوں کی تعلیم بھی کچھ کم خلاف مصلحت نہ تھی۔ بد طبعی انحطاط کی رپورٹ سے جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے یہ مترشح ہوتا ہے کہ جو لڑکیاں مروجہ نصاب کی تعلیم پاتی تھیں۔ وہ کھانا پکانے حفظ صحت اور امور خانہ داری سے اکثر حالتوں میں محض ناواقف ہوتی تھیں۔

باشندگان انگلستان کیونکر صرف علمی و تجارتی تعلیم کی بنا پر ایک پائدار سلطنت قائم کرنا چاہتے تھے۔ یہ امر ہمیشہ راز سربستہ رہیگا۔ کتاب ایک عمدہ شے ہے۔ اور تہذیب جدید کا یہ ایک عمدہ وصف ہے۔ کہ انسان نے چھاپے کا فن ایجاد کرکے علوم و فنون کی ترویج و تعمیم میں آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ اور زمانہ گذشتہ کی دانش کا مطالعہ نہایت سہل ہو گیا ہے لیکن وہ تہذیب جس کے سایہ میں مرد ہل چلانا بیکار سمجھتے ہیں۔ اور عورتیں اپنے بچوں کو دودھ پلانے میں عار سمجھتی ہیں۔ محض دھوکہ کی ٹٹی ہے۔

ہم اپنی توجہ کو پبلک مدارس اور یونیورسٹی کے نظام کی طرف جس کا منشا و مقصد نوجوان باشندگان انگلستان کو زندگی کی جدوجہد کے لئے تیار کرنا بتایا جاتا تھا۔ پھیرتے ہیں۔ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ نظام ناقابل عمل نہ تھی۔ مگر کامیاب کہلانے کا مطلقاً کوئی استحقاق نہیں رکھتا تھا۔ اس کی بدولت قوم میں بہت سے صحیح و سالم

[1] ملاحظہ ہوں اس زمانہ کے اخبارات (مصنف)

لوگ پیدا ہو گئے لیکن اُس کے ذریعے سے زمانۂ حال کے مسائل کے مطالعہ کا شوق شرفاء میں پیدا نہ ہو سکا۔ اس قسم کی تعلیم طلباء اُس نصابِ تعلیم سے جداگانہ طور پر حاصل کرتے تھے۔ جو اساتذہ نے اُن کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ مثلاً آکسفورڈ کے بہت سے تعلیمیافتہ نوجوان جنگِ جنوبی افریقہ میں شامل تھے لیکن جب وہ جنگ سے فارغ ہو کر واپس آئے۔ یونیورسٹی میں نام نہاد تاریخ جدید کا جس میں علوم جنگ بھی شامل تھے مطالعہ کرنے لگے۔ تو انہیں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے کسی ایسی لڑائی کا حال پڑھنے کی اجازت نہ دی گئی۔ جو موجودہ طریقِ جنگ و جدل سے ذرا بھی مشابہت رکھتی ہو[لہ] بنکبرن اور کریسی کی لڑائیوں میں جن نوجوں نے دادِ شجاعت دی تھی۔ اُن کے نظم و نسق کی نسبت اُن سے سوال پوچھے جاتے تھے۔ اور اُن سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ اُن جنگوں کے متعلق جو وارز آف دی روزز یا روز کی جنگوں کے نام سے مشہور ہیں نقشے کھینچیں لیکن ایسی کتابیں جو سٹون جیکسن نے تالیف کی تھیں۔ یا جو امریکن خانہ جنگی یا ہندوستان کی سرحدی جنگوں کے حالات پیش کرتی تھیں محض اس وجہ سے ملک کے آئندہ لیڈروں کو نہیں پڑھائی جاتی تھیں۔ کہ وہ زمانۂ حال سے جو ہر عظمت شاعرانہ خیال سے مبرا ہوتا ہے تعلق رکھتی تھیں۔ پس اس حالت میں کیا یہ کوئی تعجب کی بات ہے۔ کہ جو مدبر اس قسم کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ وہ بندوقوں کی نسبت گاف کھیلنے کے ڈنڈوں اور سلطنت کی فوجی ضروریات کی نسبت مجالسِ شوریٰ کے رموزِ حکمت سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے۔ اسی طرح کتبِ قدیمہ کے مطالعہ سے بھی وہ کوئی عملی فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔ اور ہزارہا تعلیم یافتہ انگریز اس امر سے تو واقف تھے کہ اثینہ (ایتھنز دار الحکومت یونان) کی جمہوریت کس طرح شورش پسند رہنماؤں کے ہاتھوں تباہ ہوئی لیکن انہیں یہ

لہ ملاحظہ ہوں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے امتحانات کے سٹیٹوٹس (قواعد) (مصنف)

معلوم نہیں تھا کہ خود اُن میں بھی سیاسی میونسپل اور مزدور پیشہ جماعتوں کے انقلاب پسند لوگ موجود تھے۔ جو دیگر نمایاں اسباب کے علاوہ انگلستان کے آئندہ انحطاط کا باعث ہونے والے تھے۔ القصہ بحیثیت مجموعی انگلستان کے سترحا میں وہ روح بہت کم پائی جاتی تھی۔ جو سڈنی اسمتھ[ا] سے یہ کہلوانے کا باعث ہوئی تھی۔ کہ :-

"میں اس بات کی پروا نہیں کرتا۔ کہ کون سا سیاسی فریق برسر اقتدار ہے۔ میں جس شے کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھتا ہوں۔ وہ انصاف و مساوات اور عام رائے ہے"

باب نہم

اہل برطانیہ کی اپنے آپکو اور اپنی سلطنت کو بچانیکی ناقابلیت

اُس عیش پرست شخص کی زندگی کا آخری دور جو مخالف ہمسایوں کے درمیان بود و باش رکھتا اور خدا اور خود اپنی ذات پر بھروسہ کا کل سرمایہ کھو چکا ہو اُس وقت شروع ہوتا ہے جب وہ اپنے گھرانے کی حفاظت کرنے اور اپنی مستورات کی عزت کو زبردست لوگوں کے حملوں سے بچانے کے ناقابل ہو جاتا ہے۔ ایسی شخص پر

[ا] امیر البحر سر سڈنی اسمتھ ۱۷۶۵ء میں پیدا ہوا۔ جنگ روس و سوئیڈن میں مؤخر الذکر کی طرف سے لڑا اور شام و مصر میں بوناپارٹ کے مقابلہ پر داد شجاعت دی۔ ۱۸۰۲ء میں پارلیمنٹ میں داخل ہوا۔ ۱۸۰۵ء میں امیر البحر عقب بنایا گیا۔ اور ۱۸۰۷ء میں ایک ترکی بیڑہ کو تباہ کرنے کے صلہ میں ۱۸۱۰ء میں نائب امیر البحر اور ۱۸۲۱ء میں امیر البحر مقرر ہوا انگریزی تاریخ اس کے کارناموں سے لبریز ہے (مترجم)

ہمیں مطلقاً رحم نہیں کرنا چاہیئے۔ بالنہمہ یہ ایک امر واقع ہے۔ کہ بعینہ یہی حالت اُن دول عظمےٰ کی ہے۔ جو خدائے قدیر کے قانون بقائے صلح کی قدر نہیں پہچانتیں اور اپنے آپ پر بھروسہ اور یقین اور اپنے قدیم مردانہ اوصاف کھو بیٹھتی ہیں۔

یہی حشر رومن امپائر کا گرانڈیل و تنومند وحشیوں کے ہاتھوں ہُوا۔ اس وسیع مملکت کا یہ دعوےٰ کہ وہ عیسائی سلطنت تھی۔ کسی کام نہ آیا۔ اگر ہم تاریخ کو صحیح طور پر سمجھتے ہیں۔ تو خدا اُن لوگوں کی بال برابر بھی پروا نہیں کرتا۔ جو اُسے لارڈ۔ لارڈ کہہ کے پکارتے ہیں۔ لیکن اس کے مقرر کردہ قوانین صحت و تندرستی ورمردانہ فرائض کی ادائگی کا خیال نہیں کرتے۔

مَیں کہتا ہوں۔ اہل روما اس واسطے برباد ہوئے۔ کہ انہوں نے ان ابتدائی قوانین کی اطاعت ترک کر دی تھی۔ اور یہی حالت اہل انگلستان کی تھی۔ آؤ۔ ہم ان کی حالت پر آنسو بہائیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس امر کا عزم بالجزم کریں۔ ہم ایسے بُرے انجام سے بچے رہیں۔

اہل روما کی نسبت انگلستان والوں کا کام زیادہ مشکل اور زیادہ اہم تھا۔ سب سے اول یہ امر قابلِ ذکر ہے۔ کہ اُن کا مقابلہ یورپ کی مہذب و متمدن افواج کیساتھ تھا۔ روما کے مخالفین اکثر حالتوں میں تربیت یافتہ وحوشؔ تھے۔ دوسرا امر قابل لحاظ یہ ہے۔ کہ روما کی سلطنت اگرچہ ایشیائے کوچک سے کارنوال تک پھیلی ہوئی تھی لیکن اُس کا شیرازہ بہ نسبت اُن انگریزی نو آبادیوں اور مقبوضات کے زیادہ پختہ پیوستہ اور مضبوط تھا۔ جو دنیا کے چاروں طرف بکھری ہوئی تھیں۔ باوجود اس کے اہل انگلستان

ؔ میں یہ الفاظ نہایت احتیاط کے ساتھ لکھ رہا ہوں۔ روما کے بہت سے نہایت خطرناک دشمن وہ جرمن تھے۔ جو خود روما کی افواج میں ملازم رہ چکے تھے۔ ملاحظہ ہو کتاب فنون جنگ از منہ وسطیٰ میں باب ا۔ مصنفہ اُمان۔ (مصنف)

اگرچہ اس کے متعلق بہت غوغا کرتے تھے۔ لیکن وہ حقیقی طور پر اس بات کو ہرگز محسوس نہیں کرتے تھے کہ اُن کی سلطنت کسقدر وسیع تھی۔ اور اُس پر کس آسانی سے چاروں طرف سے حملے ہو سکتے تھے۔ نہ وہ اس امر سے آگاہ تھے۔ کہ اپنی سلطنت کو محفوظ و مامون رکھنے کے لئے اور نیز دنیا بھر میں امن و انصاف کا حلقہ وسیع کرنے کیلئے انگلستان کے ہر شہری پر کیا کیا فرائض عائد تھے۔ اُس مرد بیمار کی مانند جو دشمن سے اپنے گھر کی حفاظت کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اُن کو غیر قوموں کے سپاہیوں اور دیسی فوجوں پر بڑا بھروسہ تھا۔ لیکن جب وہ ناقص ثابت ہوتی تھیں۔ تو انہیں بڑا تعجب ہوتا تھا۔

بیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستانی غدر کو ابھی نصف ہی صدی گذری تھی۔ اور جنوبی افریقہ کی جنگ اُن پر یہ ثابت کر رہی تھی۔ کہ اپنی سلطنت کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کی حفاظت کے لئے کسقدر افواج درکار تھیں[1]۔ اُن کو اگر کوئی خیال تھا۔ تو یہ کہ اُن کو صرف ایک جہازی بیڑے کی ضرورت تھی[2]۔

[1] ارل رابرٹس نے جو کیفیت جنگ جنوبی افریقہ کی شاہی کمشن کے روبرو بیان کی تھی۔ اس میں وہ تحریر کرتے ہیں۔ کہ "جنوری سنہ ۱۹۱۱ء میں مَیں نے بلوم فانٹین پر چڑھائی کرنے کیلئے سپاہیوں اور توپوں کی کافی تعداد فراہم کرنے میں سخت دقت محسوس کی۔ اور میں بہت سے تفکرات سے سبکدوش ہو جاتا۔ اگر میں اپنے آپ کو گورنمنٹ سے باقاعدہ فوج کی کمک بھیجنے کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب پاتا۔ امر واقع یہ ہے کہ اس توقع پر انگلستان کی باقاعدہ فوج (ڈپو کے رنگروٹوں کے علاوہ) صرف ۹ بٹالین اور ۱۸ میدانی باتریوں پر مشتمل تھی۔ اور مَیں ایسا مطالبہ پیش کرنا نہیں چاہتا تھا۔ جو فوج میں مزید کمی کا باعث ہوتا" منٹس آف ایویڈنس
ا۔ صفحہ ۴۳۳ (مصنف)

[2] اس موقع پر مَیں ناظرین کو اس امر کی طرف توجہ دلاؤں گا۔ کہ کس طرح آخری وقت تک ہم

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

آؤ ایک لمحہ کے لئے اُن حالات پر غور کریں۔ جو اس فراخ مملکت کو جنگ جنوبی افریقہ کے خاتمہ پر پیش آئے۔ اول یہ ہے کہ بوئر تو درکنار جنوبی افریقہ کے کالے آدمیوں کی نسبت اُن سے ۱۵ اور اکی تھی بسوٹولینڈ کے بہت سے دیسی باشندے ہنری مارٹینی رائفلوں اور کارتوسوں کی کافی مقدار سے مسلّح تھے۔ انگریزوں نے اگر ہندوستانی غدر سے کچھ سبق نہیں حاصل کیا تھا۔ تو انہیں کم از کم اضلاع متحدہ امریکہ میں ان غیر مہذب وحوش کی محض تعداد اور اُن کے ہم دیسی مسائل کے علم کو دیکھکر ہی چاق چوبند ہو جانا چاہیئے تھا۔[1] جنوب مغرب میں جرمن ویسٹ افریقہ (مغربی افریقہ کی جرمن نوآبادی کا قطعہ) واقع تھا۔ اور اُس موقع پر جو ناول جرمنی میں شائع ہوا تھا۔ اور جس کا ۱۱ر جولائی ۱۹۰۸ء کو انگلستان کے دیوان خاص میں ذکر بھی کیا گیا تھا۔ اُس سے یہ صحیح نتیجہ اخذ ہو سکتا تھا۔ کہ اہل جرمن کو اپنے خزانہ کو پُر کرنے کے لئے جوہانسبرگ اور کمبرلی کے معدنیاتی طلا کے حصول کا پہلے ہی سے خیال تھا۔ دیسی باشندوں کا مسئلہ ہندوستان اور مصر میں کچھ یہاں ضروری ہو گیا تھا۔ کون اس امر کی پیشین گوئی کر سکتا ہے۔ کہ جنوبی افریقہ میں برٹش اثر ورسوخ کا کم ہو جانا سوڈان، سومال (سمالی لینڈ) اور ہندوستان کی سرحدی اقوام میں کیا اثر پیدا کر سکتا تھا۔[2]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اہل انگلستان یہ محسوس کرنے سے قاصر رہے کہ موجودہ دخانی جہازوں کی سرعت وسبک رفتاری اور تباہ کن کشتیوں، تار پیڈو کی زیر آب تیز روی نے انگلش چینل کو ایک خندق بنا دیا تھا۔ اور برطانیہ بسرعت تمام جزیرہ کے درجے سے گرتا جاتا تھا۔ (مصنف)

[1] میری توجہ اس عظیم الشان تحریک کی طرف منعطف کرائی گئی ہے۔ جو وحشی سرداروں کی ایک خفیہ مجلس کے ذریعہ سے عمل پذیر ہونے والی تھی۔ اور جس کو اکتوبر ۱۹۰۷ء میں ایک فوج بھیجکر دبا دیا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو پیٹرزبرگ کا دیسی اخبار "ایلو" (مصنف)

[2] مصنف کا یہ مطلب ہے۔ کہ جنوبی افریقہ میں محض ہندوستان کی حفاظت کی خاطر لڑائی کی گئی تھی

یہ کیونکر تھا کہ انگریزوں کو اپنی ضروریات کا احساس نہیں تھا۔ یقیناً وہ اس بات کو سمجھنے کے قابل تھے کہ ۱۹۰۵ء میں انکا جو معاہدہ فرانس کیساتھ ہوا تھا وہ جرمنی و روس کے تعلقات ہمدردی کو زیادہ مستحکم کرنے والا تھا۔ اُن کے دل میں یہ خیال ضرور پیدا ہونا چاہیئے تھا کہ صدی کے ختم ہونے سے پیشتر ہی اُن کی تباہی کی سازش کی جائے گی وہ اس کو بآسانی سمجھ سکتے تھے۔ کہ سلطان کو رشوت دے کر یا مجبور کر کے کوئی دوسری طاقت اُن کے ساتھ اظہار مخالفت کر سکتی تھی[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) رڈیارڈ کپلنگ اپنی ایک تالیف میں لکھتے ہیں "یہ نہیں ہو سکتا کہ تم ایک مقام پر حکومت کرو اور دوسری میں محکوم بنکر رہو" (مصنف)

[1] انگریزوں کو اس امر سے اسکندریہ کی ایک گمنام چٹھی کے ذریعہ سے متنبہ کیا گیا تھا۔ جو اخبار "سپکٹیٹر" کی اشاعت ۲۹ جولائی ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس چٹھی کے راقم نے جس کو معلومات بہم پہنچانے کے پرائیویٹ ذرائع حاصل تھے۔ اس ریلوے کے امکانات کو واضح طور پر بتلایا تھا۔ جو سلطان المعظم کی طرف سے دمشق سے حجاز کو بنائی جا رہی تھی۔ چٹھی کے یہ الفاظ قابل ملاحظہ ہیں "حجاز ریلوے کی اسکیم کا اصل موجد جنرل وان ور گولز تھا جس کی تجاویز تحفظ سلطنت عثمانیہ میں قومی انتقال و حرکت کے متعلق بہت سی حکمت آمیز لائنوں کی تعمیر بھی شامل تھی۔ جس کے ذریعہ سے حملہ یا بغاوت کی مدافعت کی غرض سے عثمانی فوجیں بڑی تیزی و سرعت کیساتھ یکجا جمع ہو سکتی تھیں۔ برطانیہ عظمےٰ سے جرمنی کی مخالفت کوئی نئی شے نہیں ہے ٹرکی کو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت (انگلستان) کا مخالف بنا کر اہل جرمن اپنی آرزوؤں کو اس طرح پورا کر سکتے ہیں۔ کہ کویت (خلیج فارس) اور سرحد مصر پر انگریزوں اور جرمنیوں کے مابین مناقشہ ہونے کی صورت میں وہ ترکی افواج سے ایک خطرناک نیر بدہی کا کام لے سکتے ہیں۔ نہر سویز بآسانی مسدود کی جا سکتی ہے۔ معان اسمعیلیا سے صرف ۱۵ پڑاؤ کے فاصلہ پر ہے۔ اور گو جزیرہ نمائے سنائی (Sanai) اور دشت الطہ (El tinz) اجنبیوں کے حق میں کافی طور پر نامہربان ہے لیکن آغاز تاریخ سے شمال مشرق سے مصر میں کثیر التعداد فوجیں داخل ہو چکی ہیں اور یہ ظاہر ہے۔ کہ ترکی سپاہی کو روٹی پانی اور کارتوس کے سوا اور کسی چیز کی حاجت نہیں ہوتی۔ نظر بحالات مستقبل تعجب ہے کہ اہل انگلستان نے واقعات کی اس سچی پیشنگوئی کا کوئی خیال نہیں کیا جو ایک روز ضرور پوری ہونے سے (مصنف)

اُن کو جاننا چاہیئے تھا۔کہ اُن کا تجارتی و ادبی حلیف فرانس روس کے معاملات سے اس درجہ دلچسپی رکھتا تھا۔کہ اُن کی مؤخر الذکر حکومت سے جنگ چھڑ جانے کی صورت میں وہ اُن کی کبھی معاونت نہ کرتا۔ کاش وہ اس امر سے آگاہ ہو جاتے۔کہ ایران پر قابض ہونے کے بعد انقلاب پسند روس کے واسطے یہ کچھ مشکل نہ تھا۔کہ وہ ۱۰ لاکھ جری سپاہیوں کو لے کر تین نمایاں راستوں سے ہندوستان پر چڑھ دوڑتا۔اُنہیں اس بات سے واقف ہونا چاہیئے تھا۔کہ روس کی طرف سے اس قسم کا حملہ ہوتے ہی ایک حملہ جرمن ویسٹ افریقہ سے ہوگا۔اور اس کے ساتھ ہی کوئی نہ کوئی طاقت انگلستان کا بھی محاصرہ کر لے گی۔اُن کو سمجھ لینا چاہیئے تھا۔کہ اجنبی اقوام کے جہاز رانوں کے ماتحت غلے کے جہاز قابل اعتبار ثابت نہیں ہوں گے۔اُن کو محسوس کرنا چاہیئے تھا۔کہ لڑائی وغیرہ کے وقت بحری سپاہ کو تعلیم یافتہ بحری افسروں اور سپاہیوں کی ضرورت پڑے گی۔اور افریقہ۔مصر اور ہندوستان بلکہ لنڈن کی کماحقہ حفاظت و مدافعت کی غرض سے دیسی افواج کی اعانت کیلئے انہیں کئی لاکھ تربیت یافتہ شہری بندوقچیوں کی ضرورت ہوگی۔اور سب سے بڑھکر انہیں کثیر التعداد ریزرو افسروں[1] کی ضرورت سے آگاہ ہونا چاہیئے تھا۔جو اگرچہ محکمہ سول سے تعلق رکھتے تھے۔مگر جنہوں نے تاش کے بجائے مطالعہ جنگ کو اپنا دلپسند شغل سمجھ رکھا تھا۔

---

[1] جنوبی افریقہ میں افسروں کے شدید نقصان سے انگریزوں کو یہ سبق سیکھ لینا چاہیئے تھا۔یہ ایک ایسی ضرورت تھی۔جس کو لارڈ رابرٹس اور لارڈ کچنر نے کامل طور پر محسوس کر لیا تھا۔لیکن یہ ضرورت کیونکر رفع ہو سکتی تھی۔تاوقتیکہ دولتمند فارغ البال شہری اس کے پورا کرنے کی کوشش نہ کرتے۔(مصنف)

تمام جاپانی مدبر اس امر میں متفق الرائے ہیں کہ اگر روس اور جرمنی کے خلاف جد و جہد میں انگلستان محنتی اور جفاکش بحری سپاہ کی کافی تعداد کے علاوہ ایسے افسر اور مسلح شہری بہم پہنچا لیتا۔ تو اُس کی طاقت شکست و ہزیمت پر ضرور خندہ زنی کر سکتی۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ اچھے آدمیوں کے قحط نے اُسے دست و پا شکستہ کر رکھا تھا[1]۔ اُس کے جہازوں میں حملہ آوری کی سکت نہیں رہی تھی۔ اور اُس کا جہازی بیڑہ ایک ایسے جزیرہ کو گھیرے ہوئے پڑا تھا۔ جس کے باشندے کمزوری و ناتوانی کی مجسم تصویر تھے۔ اور جو اس امر کو بھول گئے ہوئے تھے۔ کہ اپنے گھروں کی حفاظت کے لئے دشمن کا مقابلہ کیونکر کرنا چاہئے۔

خوش قسمت ہے وہ شخص۔ جو سنجیدگی اور متانت کے ساتھ اپنے ملک اور ملک کے خوش منظر سبزہ زاروں۔ عالی شان کوہساروں۔ ذکور کے مضبوط جسموں۔ اور شریف و عصمت مآب خاتونوں کی روشن و پاکیزہ نگاہوں سے دلی محبت رکھتا اور اُن کا احترام کرتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے کھیتوں کی تازگی و سرسبزی میں کبھی فرق نہیں آتا۔ اور دیہات کی خوشیاں کبھی

[1] اس موقع پر جے۔ آر۔ سیلی نے رومن امپائر کے اسباب زوال کی جو کیفیت بیان کی ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔ وہ لکھتا ہے "سلطنت روما کے زوال کے آخری و اصلی اسباب خواہ کچھ بھی ہوئے ہوں۔ اس میں شک نہیں ہے۔ کہ اسکے فوری اسباب زوال طبعی تھے نہ کہ اخلاقی۔ بہادری و شجاعت تربیت اور فوجی علوم میں رومن فوجیں جیسی ہمیشہ سے تھیں۔ ویسی ہی رہیں اور الیریکم (Illyricum) کے شہنشاہ سنسیٹس (Cincinnatus) اور کائیس ماریس (Caius Marius) کے قابل جانشین ثابت ہوئے۔ لیکن سوال یہ تھا۔ کہ اُن فوجوں کی تعداد کو کس طرح پورا کیا جاتا۔ آدمیوں کا قحط تھا۔ اور اسی قحط الرجال کی بدولت سلطنت کا خاتمہ ہو گیا" (مصنف)

کبھی کم نہیں ہوتیں۔ لیکن ایسا شخص محض غوغائی اور باتونی نہیں ہوتا۔ وہ جس شے کے ساتھ محبت کا اظہار کرتا ہے۔ اُس کے لیئے قربانی کرنے کو بھی تیار رہتا ہے۔ سب سے بڑھکر یہ کہ وہ ہمیشہ آگے کی طرف دیکھتا ہے۔ اپنا وقت۔ مال۔ اور سنجیدہ دوراندیشی برمحل اور برموقع استعمال کرتا ہے۔ اور یہ باتیں جان دینے سے زیادہ پُرعظمت ہیں۔

مجھے اُس شرمناک داستان کے اعادہ کی حاجت نہیں معلوم ہوتی جو ہم میں سے ہر ایک کو معلوم ہے۔ آہ کسقدر غم آفرین داستان ہے۔ انگلستان کے مقبوضات اُس سے چھین لیئے گئے۔ کیونکہ وہ خواب غفلت میں پڑا سوتا تھا۔ اُس کا جزیرہ فوجوں سے خالی ہوگیا تھا۔ غلے کے جہاز بے اعتباری کے بحر ناپیداکنار میں غائب ہوگئے تھے۔ جہازوں کا بیڑہ سلسلۂ جبالِ نیگوں سے تھک کر رہگیا تھا۔ شب دیجور کی ظلمت اور اوراسپر باربرداری کے جہازوں کا لبریز ہونا قیامت تھا۔ بازار اُن لوگوں کے خون سے لالہ زار بن گئے تھے۔ جو میدان جنگ سے اس لیئے بھاگ نکلے تھے۔ کہ انہیں نشانہ باری نہیں آتی تھی۔ اور جب اجنبی لوگ اُن کے گھروں میں گھس آتے تھے۔ تو عورتیں اپنے بُزدل مردوں کو کوسنے میں سرگرم تھیں۔

اس کی کیا وجہ تھی۔ کہ جب ایکسو سال قبل یعنی ۱۹۰۵ء میں ارل رابرٹس نے جس نے انہیں جنگ جنوبی افریقہ میں شکست کھانے سے بچایا تھا۔ سلطنت کی ضروریات انہیں صاف و واضح الفاظ میں بتائیں[1]۔ تو وہ اُن خطرات کو محسوس نہ کرسکے۔ جو ایک ایسی سلطنت کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوتے ہیں جس کے باشندے اپنے ملک کی حفاظت کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ اس کا کیا باعث

[1] ملاحظہ ہوں۔ ارل رابرٹس کی تقریریں جو ۱۱ جولائی ...... کو دیوان خاص میں اور یکم اگست ۱۹۰۵ء کو منشن ہوس میں دی گئی تھیں۔ (مصنف)

تھا۔ کہ وہ اسی غم افروز سال میں ایک دوسرے کو نلسن[1] کی کہانیاں سُناتے تھے۔ جو اُن کے لئے یہ نصب العین چھوڑ گیا تھا۔ کہ ہر شخص کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے لیکن وہ اس امر کے دریافت کرنے کی ذرہ برابر بھی کوشش نہیں کرتے تھے۔ کہ یہ فرض کیا تھا؟ اس کا صرف ایک ہی جواب ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اُنہیں اپنے ملک سے محبت نہیں رہی تھی۔ وہ اپنی تجارت اپنے جہازوں کی باربرداری اپنے پیشہ ور تماشہ گروں اور گھوڑ دوڑوں میں اسقدر منہمک تھے۔ کہ ان کو ازمنۂ گذشتہ کی تاریخ اور خدائے برتر کے غیر متبدل قوانین کے مطالعہ کی فرصت ہی نہ تھی۔

اُنہیں اس بات کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ کہ وہ فوج میں جبراً بھرتی کرنے کا طریقہ اختیار کرتے۔ لیکن اُن کے منتشر مقبوضات کی حفاظت کے واسطے یہ نہایت ضروری تھا۔ کہ وہ اپنی جوانی کے تین چار مہینے سن ۹

[1] ہوریشیو نلسن ۲۹ ستمبر ۱۷۵۸ء کو پیدا ہوا۔ اور ۱۲ سال کی عمر میں صیغہ بحر میں داخل ہوا۔ ۱۷۷۷ء میں لفٹنٹ اور ۱۷۷۹ء میں پوسٹ کپتان ہوا۔ نپولین کے طوفانی جنگ و جدل کی ابتدا میں وہ جہاز اگا میمنن کا جو ۶۴ توپوں سے مسلح تھا۔ کمانڈر بنایا گیا۔ اور رمحا ہو کالوی میں گولی لگنے کی وجہ سے ایک آنکھ سے معذور گیا۔ کیپ سینٹ ونسٹ کی لڑائی میں بہادری و شجاعت دکھلانیکے صلہ میں ۱۷۹۷ء میں امیر البحر عقب بنایا گیا۔ اور ٹینیرف کی لڑائی میں اسکا ایک بازو جاتا رہا۔ یکم اگست ۱۷۹۸ء کو اُس نے خلیج ابوکیر میں نپولین کے بیڑہ جہازات کو غرق کیا۔ اور اس کارنامے کی بدولت اس کو "بیرن نلسن آف نائل" کا خطاب عطا ہوا۔ ۱۸۰۱ء میں آنے کوپن ہیگن میں ڈنمارک کے جہازی بیڑہ کو بالکل تباہ کر دیا۔ اور ۲۱ اکتوبر ۱۸۰۵ء کو وہ ٹریفلگر کے میدان میں اپنے ملک کی خاطر جاں بحق تسلیم ہوا۔ (مترجم)

زندگی کے فرائض سیکھنے میں بسر کرتے [1]۔ اُن کی آرزو جس پر انہیں اتنا گھمنڈ تھا۔ راحت طلبی و عیش پرستی کی طرف تھی۔ انگریزوں کے ناتربیت یافتہ آوارہ گرد لڑکے بازاروں میں شورش برپا کرتے پھرتے تھے۔ والدین کی عزت اور معمر لوگوں کی وقعت ان میں نام کو نہ تھی۔ اگر کوئی وصف اُن میں پایا جاتا تھا۔ تو وہ اس مجنونانہ اصرار میں مضمر تھا۔ کہ ہر ایک فرزند جہالت و غفلت کو نامعقول حق حاصل ہے۔ کہ وہ اپنے افعال کا مختار کل ہے۔ چار مہینے کرمز کے خیمے کے نیچے سخت تربیت اور تمام قسم کے مدارس میں سے نہایت سخت گیر مدرسہ یعنی "مدرسۂ جنگ" کی اعلیٰ تعلیم یہ سب باتیں قوم میں نئی روح پھونکدیتیں۔ اور ہر شخص میں اس امر کا احساس پیدا کر دیتیں کہ ایک ایسی سلطنت کا شہری بننا کیا معنے رکھتا ہے۔ جو دنیا کی قسمتوں کی باگ ڈور سنبھالنے کی کوشش میں ہو۔

مزید براں ایسی تعلیم اس تمام شیخی اور نمود اور خلاف مذہب جنگجویانہ سپرٹ کا خاتمہ کر دیتی جس کی وجہ سے لوگ دیسی راجاؤں کے خلاف چھوٹی چھوٹی فتوحات پر لاف مارتے اور جرنیلوں کو کبھی تو تعریفوں سے چرخ ہفتمین پر چڑھا دیتے تھے۔ اور کبھی انہیں حقارت و نفرت کے عمیق سمندر میں

[1] اس بارہ میں ارل رابرٹس نے اپنے ملک کو اپنے اُس بیان میں متنبہ کیا تھا جس میں وہ والنٹیروں اور ملیشیا کی ناقابلیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں "نظر بہ حالات موجودہ والنٹیروں یا ملیشیا پر بھروسہ کرنا ناممکن ہے۔ موجودہ نظام میں تبدیلی کی ازحد ضرورت ہے یا تو ان کو خاص قسم کی تعلیم دینی چاہیے۔ یا ہمیں ایک ایسی فوج تیار کرنے کے لئے خاص ذرائع اختیار کرنے چاہئیں جس پر صحیح معنوں میں لفظ فوج کا اطلاق ہو سکے (مصنف)

رگرا دیتے تھے۔ اور اس کے بجائے وہ ایسی سپاہیانہ اور مدبرانہ روح طبائع میں پیدا کر دیتی جس کا دارومدار ہیبت ناک جنگ کے حقیقی معانی کے علم پر ہوتا ہے۔ بندوق کے استعمال سے آگاہ اور چمکدار سنگین کے امکانات سے واقف ہو کر انگلستان کا کوئی باشندہ شاعر خبگ بنے رہنے پر رضامند نہ ہوتا۔ بلکہ وہ نہایت امن پسند شخص کہلانے میں اپنی عزت سمجھتا۔ صرف مضبوط و تربیت یافتہ۔ طبائع ہی مہربان۔ عادل اور عورتوں کے حق میں نرم دل۔ اور کمزوروں کے حق میں رحمدل ہو سکتی ہیں۔ اور جاہل۔ ناتربیت یافتہ شیخی باز و خود پسند لوگ ہی گونگے حیوانات کو تکلیف پہنچاتے اور اپنی سلطنت کی جس کے لئے وہ ذراسی قربانی پر بھی رضامند نہیں ہو سکتے۔ شوکت وصولت کے راگ گانے کے عادی ہوتے ہیں۔

کیا روئے زمین پر کوئی ایسا کند فہم و مردہ دل شخص بھی ہے۔ جو ایک ایسی عالیشان سلطنت کے دلیرانہ امکانات کو محسوس کرنے میں قاصر رہے جو ادائے فرض کی دلدادہ۔ تربیت یافتہ۔ سنجیدہ و پرہیزگار۔ خود اعتبار کمزور کی حفاظت پر کمربستہ۔ امن عام کو برقرار رکھنے کے عزم بالجزم میں مستعد اور اپنی آئندہ نسلوں کو یہ روایت وراثت میں دینے پر آمادہ ہو۔ کہ انگریز وہ نہیں ہے۔ جو دلاور شہنشاہیت کے لئے چلاتا ہو۔ بلکہ وہ ایک مضبوط و مسلح آدمی ہے۔ جو قصر امن و انصاف کا محافظ و حامی و نگہبان ہے۔

اس موقع پر میں اپنے اہل وطن اور بالخصوص اُن نوجوان مردوں اور کنواریوں کو جن کے لئے یہ کتاب تالیف کی گئی ہے۔ یاد دلانا چاہتا ہوں۔ کہ یہ اہم فرض اب اُن کے ذمہ آپڑا ہے۔ آؤ ہم اس منتہائے خیال کی اصل حقیقت کو پہچانیں۔ جو ہمیں اپنے پیش نظر رکھنا چاہئے۔ ہم انگریزوں کے ساتھ بہت سے امور میں مشابہت

رکھتے ہیں۔ ہماری جسمانی حالت ویسی ہی صحیح وسالم ہے۔ جیسی کہ اُن کی ملکہ الزبتھ کے زمانہ میں تھی۔ ہمیں خدا پر اور اپنے آپ پر ویسا ہی بھروسہ ہے۔ جیسا کہ کسی زمانہ میں اُن کو تھا۔ اہل انگلستان کی مانند ہم بھی ایک جزیرہ میں مقیم ہیں۔ جو ایک وسیع براعظم کے کنارے پر واقع ہے۔ ہماری تجارت بھی انہی کی مانند روز افزوں ترقی پر ہے۔ اور ہماری بحری طاقت بھی اُن ہی کی مانند ہے۔ آؤ۔ ہم گذشتہ سلطنتوں کی تواریخ پڑھکر اُن پر غور کریں۔ اور خبردار ہو جائیں۔ اور انگلستان کے تنزل کا مطالعہ اسی طرح کریں جس طرح انگریزوں کو رومن امپائر کے انحطاط و زوال کا کرنا چاہیئے تھا۔

ٹوکیو ۱۹۰۵ء بہبود قوم کے لئے[1]

[1] [redacted] جاپانی مؤرخ کے غرضی نام کا صحیح ترجمہ ہے۔

مکتوبات امام ربانی اردو شرح

اصل کتاب (فارسی)

(۱) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے مکتوبات عالیہ کا مجموعہ ہے۔

(۲) تصوف کے تمام معرکۃ الآراء مسائل پر تحقیق و تدقیق سے بحث کی گئی ہے۔

(۳) عظیم الشان مباحث تصوف کو مجتہدانہ و مجددانہ طریق پر طے کیا گیا ہے۔

(۴) تمام دقائق و حقائق تصوف کا محاکمانہ فیصلہ ایسے مؤثر پیرایہ میں کیا گیا ہے۔ کہ پڑھنے والے کا دل و دماغ نئے تصوف میں شرابور ہو جاتا ہے۔

(۵) شریعت اور طریقت کی بدلائل قاطع تطبیق کی گئی ہے۔ اور دونوں کو لازم و ملزوم ثابت کیا گیا ہے۔

(۶) اس سے صدہا اولیاء عظام و علماء کرام فائز المرام ہوتے رہے ہیں۔

اردو ترجمہ

(۱) مشکل اور دقیق فارسی کو نہایت سلیس اور بامحاورہ اردو کا لباس پہنایا گیا ہے۔

(۲) تمام اصطلاحات تصوف کی عام فہم پیرایہ میں تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ اور دلچسپ و مفید حواشی کے ذریعہ سے ادق مسائل کو بالکل آسان بنا دیا گیا ہے۔

(۳) شروع میں کئی صفحوں پر امام ربانی علیہ الرحمۃ کے مختصر مگر مکمل و مدلل حالات زندگی خاص طور پر لکھکر درج کئے گئے ہیں۔

(۴) مسئلہ خرق عادت اور کرامات وغیرہ پر علیحدہ مدلل بحث کی گئی ہے۔

(۵) لکھائی چھپائی دیدہ زیب اور کاغذ مکتوبات کے شایان شان لگایا گیا ہے۔

(۶) کتاب کی ظاہری و معنوی صحت و صفائی اور پاکیزگی کا التزام خاص طور پر کیا گیا ہے۔ قیمت صرف ۱۰؍ر رکھی گئی ہے۔ دوسرے حصص زیر طبع ہیں۔

مینیجر شرکت ادبیہ "یونیورسل لٹریچر سوسائٹی" امرتسر سے طلب کیجئے